ایک لمحہ کے لئے بھی اس ملک میں ہماری زندگی اجنبی وتماشائی کی زندگی نہیں ہوسکتی اس کے بناؤ اور بگاڑ کے ساتھ ہمارا چولی اور دامن کا ساتھ ہے

حضرات محترم! مسلمانانِ ہند کے اس عظیم نمائندہ اجتماع کے موقع پر جو خصوصیت سے مسلم اقلیت کے ایک عام اور مسلسل اضطراب کی ترجمانی کے لیے یہاں منعقد ہورہا ہے بے جانہ ہوگا کہ خود مسلمانانِ ہند کی خدمت میں بھی گزارش کروں کہ وہ اپنی اس پر آشوب زندگی میں ظاہری تدابیر ووسائل کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اعتماد علی اللہ اور صبر واستقلال کی زیادہ سے زیادہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ اسوۂ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنا نصب العین بنائیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے سبق لیتے ہوئے اپنے اندر وہ اسپرٹ پیدا کریں کہ تکالیف ومصائب کے طوفان سے گزر کر بھی وہ احساس کمتری، پامالی اور مایوسی کا شکار نہ ہوں اور ان کے اس یقین میں کوئی تزلزل نہ آئے کہ اپنی وطنی زندگی میں ہمیں جو بھی حوادث ومشکلات درپیش ہیں وہ بہر حال وقتی اور دنیوی مصائب ہیں اور ہمارا حقیقی اعتماد کارساز حقیقی کی رحمت اور اس کی رضا جوئی پر ہی ہے قرآن حکیم نے ہمیں بتایا ہے۔ اِنَّہٗ لَا یَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْن (خدا تعالیٰ کی رحمت سے وہی مایوس ہوتے ہیں جنہیں خدا پر ایمان اور بھروسہ نہیں ہے)

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ (ہر تنگی وپریشانی کے ساتھ آسائش وراحت بھی ضرور ہوتی ہے)

اس عظیم الشان ملک میں جو ہماری طرح اور بھی متعدد فرقوں کا پیارا وطن ہے "نبی رحمت" کے نام لیواؤں اور اس رسول حق کے امتیوں کا (جس کی شان میں فرمایا گیا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم آپ محاسن اخلاق کا ایک بے مثال نمونہ ہیں) فرض ہے کہ اپنی زندگی میں اخلاق وکردار کی وہ بلندیاں پیدا کریں کہ دنیا ان کے وجود کو امن ورحمت کا سایہ محسوس کرے۔ ان کی وطن دوستی، خیر اندیشی اور اخلاق کریمانہ کو نمونۂ عمل قرار دے اور اس سے سبق حاصل کرے آج پہلے سے زیادہ ضروری ہے کہ ہمارے اندر اپنے موقف کا صحیح احساس وشعور پیدا ہو اس پیارے دیس کی ہزار سالہ تاریخ میں ہم برابر کے شریک وسہیم اور اس دعوت حق کے علمبردار رہے ہیں جو پورے عالم انسانیت کے لئے امن ورحمت کا پیغام اور ہمدردی وخیر سگالی کا سرچشمہ ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اس ملک میں ہماری زندگی کسی اجنبی وتماشائی کی زندگی نہیں ہوسکتی اس کے بناؤ اور بگاڑ کے ساتھ ہمارا چولی اور دامن کا ساتھ ہے اس لیے ملی اور وطنی زندگی میں اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے وطنی فرائض سے بھی کوئی غفلت ہمارے لیے جائز نہیں ہوسکتی میرا تو یقین یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر وطن کی سچی محبت اور اپنے فرض ومنصب کا صحیح احساس بیدار ہے تو کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمیں اپنے حقوق سے دیر تک محروم نہیں رکھ سکتی۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوا وَّالَّذِیْنَ ہُمْ مُّحْسِنُوْن (اللہ کی مدد ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی ہے جو کردار وعمل کے کھرے اور نیکوکار ہوں) (ماخوذ از خطبۂ استقبالیہ مسلم کنونشن)

(مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)

اس شمارے میں

قند مکرر
- ماحول کے دھندلکوں میں ہمارا راستہ — مولانا محمد الحسنی — ۲

اداریہ
- تنافس کی نئی قسم — حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندوی — ۳

نعت رسول مقبولؐ
- سراپائے اقدس صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت شاہ نفیس الحسینی — ۴

چراغ راہ
- مسلم پرسنل لا بورڈ کے سترہویں اجلاس کا خطبۂ صدارت — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۵

تعلیم الحدیث
- محرم کا مہینہ — مولانا بلال عبد الحی حسنی — ۹

سخن دل نواز
- مسلمانوں کے مسائل وجذبات: افہام وتفہیم کی ضرورت — حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ — ۱۰

اس ماہ کا مضمون
- محرم الحرام کی اہمیت وفضیلت — مفتی محمد زید ندوی — ۱۲

اسلامی بیداری
- ترکی میں اسلامی بیداری: امید اور اندیشے — مولانا نذر الحفیظ ندوی — ۱۵

ملی مسائل
- مدارسِ اسلامیہ کے بارے میں کچھ سچی باتیں — مولانا عبد الکریم پاریکھ — ۱۸

صہیونیت
- ہزارہ بیت لحم — مولانا سلمان الحسینی ندوی — ۲۲

تعارف وتبصرہ
- کتابوں کی دنیا — مولانا عتیق احمد بستوی — ۲۷

وفیات
- حاجی نثار احمد مرحوم — مولانا محمود حسن حسنی — ۲۸

روداد سفر
- تشدد اور منفی رویہ اسلامی روایات کے منافی — مولانا محمود حسن حسنی — ۲۹

فقہ وفتاوی
- سوال وجواب — مولانا مفتی محمد طارق ندوی — ۳۲

ایک رپورٹ
- جمعیت ابناء ندوۃ العلماء امارات کی تشکیل نو — مولانا حبیب اللہ ندوی — ۳۲

پندرہ روزہ
تعمیر حیات لکھنؤ
اشاعت کے ۴۰ سال

جلد نمبر ۴۰ — شمارہ نمبر ۹

۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء مطابق ۶ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

(زیر سرپرستی)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء)

نگران خصوصی

حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی — رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین

معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی — معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبد اللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

زر تعاون

سالانہ: ۱۵۰/- روپے ——— فی شمارہ ۷/- روپے
ایشیائی ممالک، یورپی، افریقی وامریکی ممالک ——— ۳۵/- ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام بنوائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Post Box No.93,Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 2787250(Ext) 18 مہمان خانہ (0522)2323864
Website : www.nadwatululama.org
E-mail : nadwa@sancharnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسٹ پرنٹنگ پریس، ٹیگور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زر تعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

ماحول کے دھندلکوں میں
ہمارا راستہ

مولانا سید محمد الحسنیؒ

ماضی قریب کا ایک واقعہ ہے ایک مرتبہ ایک جگہ سخت وبا چھوٹ پڑی، اور لوگوں میں تیزی سے دہشت اور سراسیمگی پھیلنے لگی، ایسی حالت میں ایک صاحب گھبرائے ہوئے ایک صاحب دل کے پاس آئے اور اپنی گھبراہٹ اور اندیشہ کا اظہار کرنے لگے، ان صاحب نے ان کی حالت دیکھ کر کہا کہ آخر اس قدر پریشانی کی کیا بات ہے، گھوڑا تو نہیں چھوٹ گیا ہے؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر گھوڑے کی لگام ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چیز دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے اور اس کی مرضی اور مشیت اور حکمت کے مطابق سارے کام ہو رہے ہیں، وہ رحیم بھی ہے، علیم بھی ہے، حکیم بھی ہے، اور قدیر بھی ہے تو پھر گھبرانے، پریشان ہونے اور ہمت ہار دینے کا کیا موقع ہے، ان صاحب کا بیان ہے کہ اسی مختصر جملہ نے آنکھیں کھول دیں، اور ایسا محسوس ہوا جیسے دل کا بوجھ اتر گیا۔

ہمارے موجودہ حالات، مسائل، دشواریوں، خطرات اور اندیشوں کے لئے یہ ایک ایسا نسخۂ کیمیا اور ید بیضا ہے جس کے سامنے قوت اور مایوسی کے مہیب سے مہیب بادل ایک لمحہ کے لئے نہیں ٹھہر سکتے، اور جس کے سامنے بڑی حفاظتی تدبیریں اور انتظامات اور مادی وسائل واسباب بالکل ہیچ اور بے اثر نظر آتے ہیں، یہ "اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" کی طاقت ہے، جس کے بعد حالات بدلنے بلکہ زمین وآسمان بدل جانے میں کسی تاخیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس طاقت کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ دو چیزوں کی ضرورت ہے، اعتماد علی اللہ اور تعلق مع اللہ خدا پر یہ اعتماد کہ وہ ہم کو ضائع نہیں فرمائے گا، کسی ظالم اور جابر حکومت کو ہم پر مسلط نہیں کرے گا، ہم کو ذلت اور غلامی سے محفوظ رکھے گا، قرآن مجید کا ارشاد ہے: "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ"۔

(ترجمہ) وہی ہے جو مضطر کی پکار سنتا ہے اور مصیبت دور کرتا ہے اور تم کو زمین پر اپنا خلیفہ اور وارث مقرر کرتا ہے" ایک جگہ ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ـــــ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (ترجمہ) "کہا تمہارے رب نے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری عبادت سے ترفع کرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل ہو کر، ـــــ اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

حدیث شریف میں آیا ہے، انا عند حسن ظن عبدی بی (میں اپنے بندہ کے نیک گمان کے مطابق ہوں)۔

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اگر بندہ اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنی سمجھ کے بل بوتے پر اپنے لئے راستہ بناتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی ـــــ اور حدیث کے الفاظ میں فلا یبالی بای واد ھلک ـــــ اس کو اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس وادی میں جا کر ہلاک ہو گیا۔

چند آیات اور احادیث ہی تک محدود نہیں سارا قرآن اور حدیث اعتماد وتوکل کی اہمیت اور اس کی برکتوں اور اثرات کے ذکر اور اس کے خلاف کرنے پر وعیدوں سے بھرا ہوا ہے، اور اس پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ توحید ورسالت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔

دوسری چیز تعلق مع اللہ ہے جو اس اعتماد کے ساتھ لازم وملزوم ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تعلق مع اللہ کے بغیر اعتماد علی اللہ کا حصول بھی ممکن نہیں، جب تک خدا سے رشتہ درست نہ ہوگا نیت ٹھیک نہ ہوگی، اعمال کا محاسبہ نہ ہوگا، خدا سے محبت وخشیت کا تعلق پیدا نہ ہوگا اس وقت تک اس پر اعتماد اور اس کے وعدوں پر کلی یقین کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

لیکن اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ تعلق مع اللہ کا سب سے بڑا ظہور اسی اعتماد علی اللہ کی صورت میں ہوتا ہے اور اس کے کرشمے اس کے قلب میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

اگر تعلق مع اللہ کا اندازہ کرنا ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اس میں اعتماد ویقین کا کتنا حصہ شامل ہے اور اس کی مقدار اور اس کی سطح کیا ہے، یہی اس کا سب سے بڑا پیمانہ، سب سے بڑا مظہر اور سب سے اعلیٰ مقام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب وادی غیر ذی زرع کی طرف جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے پہلا یہی سوال کیا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، جب ان کو یہ بات معلوم ہو گئی تو بڑے اطمینان بلکہ بڑے ناز واعتماد کے ساتھ فرمایا: اذا لا یضیعنا "تب تو وہ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا"۔

یہ تعلق اور اعتماد ہماری مشکلات کا حل بھی ہے اور کامیابی کی کلید بھی، ہتھیار بھی ہے، ذریعہ بھی ہے اور مقصود بھی۔ ☆☆

اداریہ

تنافس کی نئی قسم

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

کسی مرے ہوئے چیل یا اسی طرح کے دوسرے جانور پر جھپٹنے کی کوشش اگر دو کتے ایک ساتھ کر رہے ہوں تو اس کو تنافس (۱) کہا جائے گا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جانور کی خاص صفت نہیں ہے بلکہ مزاج بشریت کا تقاضہ ہے اور ایک خیر کی چیز کو حاصل کرنے کے لئے دو قسم کے افراد کا آگے بڑھنا، ایک دوسرے سے ہاتھا پائی کرنا اور نفع کی چیز کو اپنے قبضہ میں لینے کی جدوجہد کرنا ہمیشہ سے انسانی مزاج رہا ہے، اور شریعت اسلامیہ نے اس کی تصدیق کی ہے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

مگر اب تک جو تجربات حیات انسانی میں پیش آئے وہ خیر کی طرف مائل ہونے یا اس کے حصول کی تمنا سے متعلق تھے، اب اس زمانہ میں کچھ معاملہ برعکس دکھائی دے رہا ہے۔ اسرائیل نے بڑے بڑے سنتروں کی سپلائی لندن کی اور ہر سنترہ میں زہر سوئی سے پیوست کر دی۔ مقصد یہ تھا کہ تیونس اور طرابلس سے جو پھل جایا کرتے ہیں اسی میں اس کا شمار ہو اور مسلمانوں کے لئے صدر امریکہ کا تجویز کردہ مذموم ہار "عالمی دہشت گردی" میں ان کا شمار ہو مگر قبل اس کے کہ اس کے اور ثبوت فراہم ہوں، لبنان کی ایک مسلم دشمن انجمن "۴ر اپریل" نے دعویٰ کیا کہ یہ کام میں نے کیا ہے اور میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں اس سے قبل ۱۴۰۰ھ کی پہلی محرم کو چند لاابالی نوجوانوں نے حرم مکہ پر قبضہ کر لیا اور سارے عالم میں اس کی شہرت پھیل گئی۔ امریکہ اور یورپ کا یہ تو فائدہ تھا کہ لوگ حج اور عمرہ کو مخدوش اور پرخطر سمجھیں کیونکہ حج کے اجتماع ان کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں، اس فتنہ کو الحمدللہ سعودی عرب نے اپنے قوت بازو سے ختم کیا مگر جس زمانہ میں یہ ہنگامہ جاری تھا، یہی ۴ر اپریل والی جماعت سامنے آئی کہ ہم ذمہ دار ہیں، ہم سے بات کرو۔ ہم دس آدمی آئیں گے، ان کے لئے خصوصی ہوائی جہاز، ان کے لئے مخصوص مہمان خانے اور اعلیٰ سطح پر شاہ وقت سے مکالمت کا انتظام کیا جائے، سعودی والے کوئی بچے نہیں تھے، برسہا برس سے اسرائیل یہودی نصرانی عناصر کو پہچاننے والے اور ان کے حدود عمل سے واقف، انہوں نے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ مقامی اخبارات میں اس کو شائع کریں۔ صرف بیروت کے روزنامہ الحیاۃ نے اس کو سرخی دے کر شائع کیا تھا۔

حاصل مطالعہ یہ ہے کہ تنافس خیر کی چیزوں میں ہوتا تھا، لوگ کہتے تھے کہ یہ نہر میرے باپ نے بنائی ہے اور یہ محل میرے دادا نے تعمیر کرایا ہے اور رفاہ عام کا یہ سلسلہ میرے چچا نے قائم کیا تھا ان سب میں جذبہ تفاخر کا ضرور تھا مگر ایسی چیزوں کے بارے میں جو انسان کے لئے نفع بخش ہوں۔

موضوع گفتگو سے برطرف آیت قرآنی میں اعجاز قرآنی کا ایک نکتہ ہم پہنچایا یا عربی زبان کی وسعت نظر آئی جو قرآن کی زبان ہونے کے لائق تھی عربی میں ایک لفظ شجاعت کا ہے جو بہت معروف ہے بہادری، دلیری اور بے جگری سے دشمن پر وار کرنا یا اس کا دفاع کرنا اس کا مفہوم ہے۔ دوسرا لفظ تہور ہے کا استعمال دیکھا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بے شعوری اور لاپرواہی کے ساتھ کوئی کام ایسا کرنا جو بہادری کا معلوم ہو مگر بہادری کا نہ ہو جیسے آج عرب ممالک کے ٹریفک کنٹرول والے ایسی تختیاں جابجا موڑوں پر نصب کئے ہوئے ہیں کہ السرعة تهور وليست شجاعة اب دیکھئے کسی اور زبان میں شجاعت کے یہ اقسام پائے جاتے ہیں؟ اسی قسم سے ہے، بسالت میدان جنگ میں اس بہادری کی نمائش کو کہتے ہیں جب بیوی بچے خاندان کے افراد سب یاد آ رہے ہوں۔ مگر ایک بہادر لڑتا بڑھتا جاتا ہے۔ زبان کی خوبی یہ ہے کہ جہاں شجاعت کا لفظ استعمال ہوگا وہاں بسالت کا نہیں اور جہاں تہور کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو ساری قوت پر پانی پھیر دیگا۔

(۱) تنافس دو طرح مستعمل ہے ایک متعدی بنفسہ جیسے تنافسا ذلك الأمر اور دوم متعدی بحرف جر فی ہوتا ہے، جیسے تنافسا فيه اس کے معنی ہیں تحاسدا، یعنی ہم نے ایک دوسرے سے حسد کیا اور تسابقنا ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ آرائی کی۔ قرآن کریم میں ہے، وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اور اس کے معنی لسان العرب کے مطابق "فليتراغب المتراغبون" (رغبت کرنے والے اس میں رغبت کریں) ہیں، مزید استعمال نافست فی الشیء منافسة ونفاساً (باب مفاعلة سے) یعنی اذا رغبت فيه على وجه المباراة في الكرم یعنی جب جود وکرم میں مقابلہ آرائی کے طور پر رغبت دکھائی جائے، وتنافسوا فيه جس کے معنی ہیں رغبوا فيه یعنی انھوں نے رغبت دکھائی اور حدیث میں ہے، اخشى ان تبسط الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها، یہاں بھی منافست کے معنی رغبت دکھانا اور اپنے لئے خاص کرنے کے ہیں، حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا پھیلا دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کے لئے پھیلا دی گئی تھی، تم اسی طرح رغبت دکھاؤ جس طرح انھوں نے رغبت دکھائی تھی۔ (لسان العرب)

نعت رسول مقبول

سراپائے اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

☆ حضرت سید نفیس الحسینی

اے رسولِ امیںؐ، خاتم المرسلیںؐ، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی وہاشمی خوش لقب، اے تو عالی نسب، اے تو والا حسب
دودمانِ قریشی کے دُرِّ ثمیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اَوصاف سے خود سجایا تجھے
اے اَزل کے حسیں، اے اَبد کے حَسیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کونین پہلے سجائی گئی، پھر تری ذات منظر پہ لائی گئی
سید الاولیں، سید الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سکّہ رواں کُل جہاں میں ہوا، اِس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عَرب، کیا عجم، سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

تیرے انداز میں وُسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رفعتیں عرش کی
تیرے انفاس میں خُلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

''سدرۃ المنتہٰی'' رہگزر میں تری، ''قابَ قوسین'' گردِ سفر میں تری
تو ہے حق کے قریں،حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضو ترے سَرمدی تاج کی، زُلفِ تاباں حسیں رات معراج کی
''لیلۃ القدر'' تیری منور جبیں، تجھ سا کوئی نہیں،تجھ سا کوئی نہیں

مصطفےٰ مجتبیٰ ،تیری مدح وثنا، میرے بس میں نہیں، دسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں، لَب کو یارا نہیں،تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سَراپا لکھوں، کوئی ہے ! وہ کہ میں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، ہیں یہ صدیقؓ، فاروقؓ، عثمانؓ، علیؓ
شاہدِ عدل ہیں یہ ترے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

اے سَراپا نفیس اَنفسِ دو جہاں، سرورِ دلبراں دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں ، تجھ سا کوئی نہیں

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سترہویں اجلاس مونگیر کا

خطبۂ صدارت

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد للہ رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الأمین خاتم النبیین محمد ، و علیٰ آلہ و أصحابہ الغر المیامین ، و بعد :

حضرات ! آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس اس کا سترہواں اجلاس ہے جو اس کے سولہویں اجلاس کے صرف آٹھ ماہ بعد منعقد ہورہا ہے،بورڈ کے دو اجلاس اتنی قریبی مدت کے فرق سے عام حالات میں منعقد نہیں ہوتے ۔لیکن سولہواں اجلاس چونکہ صرف صدر کے انتخاب پر ہی مشتمل رہا تھا ، اور بقیہ انتخابات کے لئے مقررہ مدت پوری ہونا ابھی باقی تھی اس لئے بقیہ مدت پوری ہوجانے پر باقی رہ جانے والی کارروائی کے لئے اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت تھی جس کو اس اجلاس کے ذریعہ پورا کیا جارہا ہے۔

بورڈ کا یہ سترہواں اجلاس مونگیر کے اس تاریخی شہر میں منعقد ہورہا ہے جس کو ایک صدی قبل اپنے وقت کے ایک بڑے عالم و مصلح مولانا سید محمد علی رحمانی نے اپنے وقت کے دینی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنا مرکز بنایا تھا ،یہ فتنے قادیانیت اور عیسائیت کے فتنے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے اس وقت کے حالات کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سر اٹھایا تھا،مولانا محمد علی رحمانی کے اس شہر کو اپنا مرکز بلکہ اپنا وطن بنالینے کی بناء پر ان کے نام کے ساتھ اس شہر کی نسبت مونگیری شامل ہوئی ،اور وہ بعد میں مونگیری کے ہی لقب سے یاد کئے جاتے رہے، اس شہر کو بھی ان کے قیام وکام سے بڑا دینی فیض پہنچا، اوران کے ذریعہ سے دین وملت کی بڑی خدمت ہوئی ،پھر ان کی فیض رسانی کا سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا جس کا بڑا سہرا ان کے نامور جانشین اور فرزند حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے سر بندھا،ان کا بھی علمی و دینی خصوصیات کے ساتھ ملی معاملات میں خدمت کرنے کا خاصا حصہ رہا،ان کو بہار واڑیسہ کے امیر شریعت کا منصب ملا۔اور ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کے وقت ان کو اس کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا جس کے تعلق سے انہوں نے صدر بورڈ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ، پھر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی رفاقت اور ارکان بورڈ کی معاونت میں ملت اسلامیہ ہندیہ کی اہم خدمات انجام دیں ، آج ان ہی کے شہر میں یہ اجلاس منعقد ہورہا ہے،اوران کے موقر فرزند اس کے انتظام میں پیش پیش ہیں، یہ ایک ایسی مناسبت ہے جس کی روسے مولانا مرحوم کی اوران کے عظیم المرتبت والد کی روح انشاءاللہ مسرور وشاداں ہوگی۔

حضرات ! آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ آج سے تیس سال قبل ایسے حالات میں تشکیل پایا تھا جن میں مسلمانوں کے لئے اپنے اسلامی عائلی قوانین پر عمل کرنے کے اختیار کو چیلنج کیا جارہا تھا ،اور یہ چیلنج ملک کی اکثریت کے بعض حلقوں کی طرف سے کیا جارہا تھا ، جو اگر کامیاب ہوجاتا اور عمل میں آجاتا تو اس ملک میں مسلمانوں کا اپنی اسلامی شریعت پر عمل کرنے کا راستہ مسدود ہوجاتا ،اور اس کے نتیجہ میں مسلمان جب اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے سے محروم ہوجاتے تو ان کا اسلام سے ربط بھی قابل اعتبار نہ رہتا ،اور یہ صورت مسلمانوں کے لئے گوارہ کرنے کے قابل نہ تھی ۔اس ملک کا دستور سیکولر رکھا گیا ہے جس سے ملک کے ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا حق دیا گیا ہے، مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے ،اور اس کی بناء پر وہ اپنا حق طلب کرسکتے اور اس کے خلاف ہر چیلنج کو رد کرسکتے ہیں ، مسلمانوں نے اپنے اسی حق کے تحفظ کے لئے اس بورڈ کی تشکیل کی ، یہ ایک بہت مفید اور ضروری اقدام تھا ، بورڈ اس ملک میں مسلمانوں کے مذہبی تشخص جیسے بنیادی مسئلہ کے لئے ان کا متحدہ پلیٹ فارم بنا ، اور تحفظ شریعت کی راہ میں اس نے اہم خدمت انجام دی ،اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے ،بورڈ کی اہم کارکردگی کا موقع خاص طور پر اس وقت آیا جب بورڈ کی تشکیل کے ۱۲ سال بعد عائلی قوانین کے ایک معاملہ میں سپریم کورٹ نے شریعت اسلامی کے خلاف فیصلہ دیا۔ بورڈ نے اس کی تبدیلی کے لئے قانونی اور جمہوری طریقہ سے بھرپور کوشش کی ، ایک طرف اس نے پورے ملک میں اس مسئلہ کی اہمیت واضح کرنے کے لئے مسلمانوں سے رابطہ پیدا کیا اور خطرہ سے آگاہ کیا ، دوسری طرف ذمہ داران حکومت کو اسلامی شریعت کے تحفظ کو قائم رکھنے کی ضرورت بتائی ، بالآخر ملک کی قانون ساز مجلس (پارلیمنٹ) سے اس مشکل کا حل حاصل کرالیا ،اس کامیابی سے بورڈ کا وقار اور مقام بہت بڑھا ،اور بورڈ کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ،اور مسلمانوں کو اپنے دینی معاملات میں بورڈ اپنا متحدہ اور اعلیٰ ملی نمائندہ ادارہ محسوس ہونے لگا جو ان کے شریعت اسلامی کے معاملات میں حکومت اور ملک کے ذمہ داروں میں مناسب نمائندگی کرسکتا

ہے، چنانچہ ایسے ہر موقع پر مسلمانوں کی نگاہیں بورڈ کی ہی طرف جاتی رہیں، اور اس طرح بورڈ پر بڑی ذمہ داری عائد ہوگئی جس کو حسب ضرورت پورا کرنے کے لئے بورڈ کو بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ اور گروہی وانفرادی مفادات ومصلحتوں سے بلند ہوکر کام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا بورڈ کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ بورڈ انفرادی نیز جماعتی تفرقہ و اختلاف سے بچتے ہوئے کوشش کرتا رہے، بورڈ کی قوت وطاقت اسی رویہ میں مضمر ہے۔ اس کے لئے بورڈ پر یہ بات بھی عائد ہوتی ہے کہ بورڈ جس مقصد کے لئے وجود میں آیا وہ اپنے کو بنیادی طور پر اسی کے ساتھ مربوط رکھے، اس کے علاوہ دیگر ثانوی اور ذیلی سطح کے معاملات میں اپنے کو زیادہ مشغول نہ کرے، اور اس امر کی گنجائش یوں بھی ہے کہ مسلمانوں کے ثانوی اور ذیلی معاملات کو علی العموم مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اختیار کرتی اور ان کے لئے کام کرتی ہیں، وہ امت کے مختلف مسائل کو علیحدہ علیحدہ یا کچھ حد تک مشترک طریقہ سے بھی انجام دینے کی کوشش کرتی ہیں، اس طرح بورڈ کو ان میں کم سے کم پڑنے کی سہولت حاصل ہے، لہذا وہ اپنے اصل کام اور اپنے اصل مقصد پر توجہ مرکوز رکھ سکتا ہے۔

بورڈ کا اصل کام اور بنیادی ذمہ داری جس کے لئے اس نے اپنی تشکیل کے وقت اپنی جدوجہد کا سفر شروع کیا وہ اسلامی شریعت کا تحفظ ہے، جس کا ایک وسیع حصہ عائلی قوانین ہیں، تحفظ شریعت کا یہ کام بورڈ کے زیر عمل تاحال چلا آرہا ہے، درمیان درمیان میں بعض دیگر معاملات بھی اس کے زیر عمل آتے رہے، اور بورڈ نے ان میں بھی اپنا تعاون دیا، لیکن بورڈ کے سامنے بنیادی کام اور اصل ذمہ داری تحفظ شریعت کے ہی مختلف پہلو رہے ہیں۔

(۱) تحفظ شریعت کے ان مختلف پہلوؤں میں ایک تو شریعت کو حکومت یا اکثریت کی دخل اندازی سے محفوظ رکھنا ہے، اس کے لئے جہاں قانون کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے تو قانون کا سہارا لینا ہے، چنانچہ پہلے بھی مختلف معاملات میں عدالت سے رجوع کیا گیا اور اب بھی کیا جاتا ہے۔

(۲) اور اگر ذمہ داران حکومت کے ساتھ افہام وتفہیم کی ضرورت ہو تو اس ذریعہ کو اختیار کرنا بھی بورڈ کی ذمہ داری ہے جیسا کہ شاہ بانو کیس میں کیا گیا۔

(۳) تحفظ شریعت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے ہم وطن بھائیوں کے ذہنوں میں شریعت اسلامی کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کیا جائے، اس کام کو دعوتی اور علمی انداز میں اور ذرائع ابلاغ کو مہارت وقابلیت کے ساتھ استعمال کرنے سے انجام دیا جاسکتا ہے، اور یہ کام ایسے ملک میں جہاں ہم غیروں کے بیچ میں رہتے ہیں اہم اور بنیادی کام ہے، اگر اس کو بھرپور طریقہ سے اور اخلاق ومحبت کے انداز سے کیا جائے تو مسلمانوں کے بہت سے وہ مسائل جو وطنی بنیاد پر الجھتے چلے گئے ہیں بڑی حد تک حل ہوسکتے ہیں۔

(۴) تحفظ شریعت کا ایک اہم پہلو جو بڑا بنیادی اور اہم ہے وہ یہ ہے کہ خود مسلمانوں کی زندگی میں تحفظ شریعت ہو، کیونکہ یہ بات معقول اور مناسب نہیں ہے کہ ہم حکومت سے اور عدالت سے کہیں کہ ہماری شریعت میں تبدیلی یا مداخلت نہیں ہوسکتی اور ہم خود اپنے معاشرہ میں شریعت کو محفوظ وقائم نہ رکھیں، شادیوں کے موقعوں پر لڑکی والوں پر ایسا بوجھ ڈال دینا کہ اس کو اپنی استطاعت سے زیادہ سمجھنے کی وجہ سے لڑکی والے لڑکی کو بٹھائے رکھیں بری بات ہے، اس تاخیر سے اس کی عمر ڈھل جاتی ہے، یا لڑکی والے قرض بلکہ سودی قرض سے اس بوجھ کو اٹھا لیتے ہیں، اور خود اپنی معیشت اس قرض کی ادائیگی میں برباد کرلیتے ہیں، اس کے علاوہ خود شادی کے انعقاد پر بلند معیار کا مسرفانہ مظاہرہ لازم سمجھا جاتا ہے، وہ بھی طرفین کے لئے یا کم از کم ان میں سے ایک کے لئے بہت زیادہ زیر بار کردینے والا ہوتا ہے، مزید یہ کہ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی والوں سے جو جہیز مطلوب ہوتا ہے وہ اگر ان کے مطلوبہ معیار سے نہیں ملتا تو وہ لڑکی کی جان کے ہی درپے ہوجاتے ہیں۔ لڑکی والوں پر جہیز اور دیگر مصارف کا بوجھ ڈال دینے سے شوہر کو بیوی گویا مفت یا بطور تحفہ کے مل جاتی ہے، لڑکی کی یہ بے قیمتی بعض وقت اس کے لئے بعد میں وبال جان بن جاتی ہے جب کہ اس کو شوہر ذرا سے عذر میں بآسانی چھوڑ دیتا ہے، لیکن اگر شادی میں بیوی کو لانے میں شوہر پر مناسب حال بوجھ پڑے جیسا کہ اسلام کا حکم ہے تو شوہر بیوی کو مفت کا تحفہ سمجھ کر آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا، لہذا ضرورت ہے کہ اصلاح معاشرہ کی مہم میں یہ بھی سمجھایا جائے کہ شادی کے اصل مصارف شوہر کے ذمہ ہیں جس میں مہر کی اہمیت بنیادی ہے، جہیز اور دیگر اشیاء، اگر دباؤ سے لی جارہی ہوں تو اسلامی نقطۂ نظر سے وہ مال حرام کے حکم میں ہیں۔

اس سلسلہ کی کوتاہیاں نہ صرف یہ کہ شریعت اسلامی کے خلاف ہیں بلکہ انسانی اخلاق وکردار کے بھی منافی ہیں، ضرورت ہے کہ اس کی اصلاح کے لئے زبردست مہم چلائی جائے، شریعت اسلامی کا تحفظ اس پہلو میں بھی کرنے کی ذمہ داری بورڈ پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے لئے بورڈ کے پروگرام میں اصلاح معاشرہ کا کام ہے، اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

(۵) تحفظ شریعت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی عائلی زندگی میں جو نزاعات ابھرتے ہیں ان کے حل کے لئے ہم کو ان عدالتوں سے رجوع کم سے کم کرنا چاہئے جہاں اسلامی عائلی قوانین سے واقفیت یا ان کی پسندیدگی نہیں ہے،

کیونکہ ان سے ہمارے لئے مطلوبہ حل حاصل کرنا مشکل ہے، اور عدالتوں میں مقدمات کی کثرت کی وجہ سے فیصلہ آنے میں بہت تاخیر بھی ہوتی ہے، اس طرح کے امور کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ دار القضاء قائم کئے جائیں، اور مسلمانوں کو اپنے شرعی نزاعات ان میں لیجانے کو کہا جائے، چنانچہ اس پر عمل ہوا، اور وہ جہاں بھی ہوا بہت مفید ثابت ہو رہا ہے، اور دار القضاء کا قیام قانونی طور پر صحیح بھی ہے کیونکہ قانونی طور پر برادریوں کے جھگڑے ان کی پنچایتوں کے ذریعہ خاصی حد تک حل کئے جاتے ہیں، اور قانون اس کی اجازت دیتا ہے، لہذا دار القضاء کی حیثیت مسلمانوں کے لئے ایک طرح سے بلکہ قانون کی رو سے شرعی پنچایت کی بنتی ہے، لہذا یہ مسلمانوں کے عائلی جھگڑوں اور شرعی نزاعات کے حل کے لئے مفید اور مطابق شریعت حل ہے، چنانچہ ہمارے بورڈ نے اس حل کو مناسب سمجھا ہے، ضرورت ہے کہ دار القضاؤں کا قیام وسیع اور کثیر طریقہ سے کیا جائے تا کہ ان تک پہنچنے اور ان سے مدد لینے میں مسلمانوں کو دشواری نہ ہو۔

تحفظ شریعت کے معاملہ میں اس طرح کے پہلوؤں پر اگر خاطر خواہ توجہ صرف کی جائے گی، نیز متعلقہ مسائل کے حل میں خود سے مدد ملے گی تو ایک طرف ہم کو شریعت کے تحفظ کے لئے آواز بلند کرنے کی کوئی بڑی ضرورت پیش نہیں آئے گی، دوسری طرف ہمارا مسلم معاشرہ ایک ستھرا اور مثالی معاشرہ بن سکے گا، نیز مسلمانوں کو آپس کی ہم آہنگی اور معاشرتی عافیت وسلامتی حاصل ہوگی، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ صورت حال ہمارے ہم وطن اغیار کے لئے قابل تقلید بھی بن سکے گی، اور اس سے اسلام کے متعلق غیروں میں جو غلط فہمیاں ہیں وہ دور ہوں گی، اور ان کو اسلام سے قریب کرنے کا موقع بھی ملے گا۔

حضرات! بابری مسجد کا مسئلہ شروع میں صرف ایک قانونی مسئلہ تھا اس کے بارے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے صرف ذمہ دار اور مسئلہ کی اہمیت سے صحیح واقف کار افراد ہی جانتے تھے، اس وقت قانونی کارروائی زیادہ مؤثر انداز میں ہوسکتی تھی، اور بلا فرقہ وارانہ تناؤ کے مسئلہ حل ہو جاتا یا کم از کم قابو میں لے آیا جاتا، لیکن یہ مسئلہ عوامی مسئلہ بن جانے کے بعد سیاسی اغراض رکھنے والوں کی دلچسپی کے دائرے میں داخل ہوگیا جس کی وجہ سے اس کے حل میں طوالت بھی ہورہی ہے، اور اکثریتی فرقہ میں ان کے تعصب زدہ قائدین غلط فہمیاں پیدا کرکے ان میں مسلم دشمنی کے جذبات ابھارنے کا موقع پارہے ہیں، اس طرح دونوں فرقوں کے درمیان تناؤ بڑھا اور جذبات ابھرے جو ملکی حالات کے سکون کو برباد کرنے کا ذریعہ بھی بن رہے ہیں، اس کے تدارک کی طرف خاص طور پر ملک کے ذمہ داروں کو توجہ دینے کی ضرورت ہے، فرقہ وارانہ ٹینشن وظلم جس کا اظہار ہندو متعصب تحریکات کی طرف سے خوب کیا گیا اور کیا جارہا ہے، وہ مسلمانوں کے لئے نقصان دہ جو ہے وہ تو ہے لیکن وہ خود ہندو قوم کے مزاج کو بگاڑنے والا ہے، مزاج بگڑنے پر یہ ٹینشن اور ظلم خود ان کے گروہوں اور طبقوں کے درمیان بھی استعمال ہوگا، افسوس ہے کہ ملک کے قائدین صرف الکشنی مصلحت سے اس بگاڑ کی مضرت کو نظر انداز کررہے ہیں، ان حالات میں ہمارے قائدین کو بھی بہت سوجھ بوجھ اور دور اندیشی کے رویہ پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے، چونکہ اس تناؤ سے نقصان ہم مسلمانوں کو زیادہ ہوسکتا ہے اس لئے فرقہ وارانہ تناؤ کو کم کرنے کی جو تدابیر ہمارے کرنے کی ہیں ان کی طرف توجہ ہمارے رہنماؤں کو خاص طور پر کرنا ہے، اور اللہ تعالی سے ہم کو خصوصی دعاء بھی کرنا چاہئے کہ ملک کی ۲۰ کروڑ کی یہ آبادی ملک میں عزت وامن کے ساتھ اور اپنی ملی خصوصیات کے ساتھ رہ سکے، اور اپنی ذمہ داریوں کی اچھی ادائیگی کرسکے، اور شایان شان طریقہ سے اپنا مستقبل بناسکے۔

حضرات! اس ملک میں اگرچہ مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن وہ اپنی ملی ضرورت کے وسائل اور اپنی ملی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں خود کفیل ہیں، دینی اداروں کے لحاظ سے اور تعلیمی انتظامات کے لحاظ سے اور ملت کی ضرورت کو پورا کرنے کے لحاظ سے وہ دوسروں کے دست نگر نہیں ہیں، اس صورت حال کو جاری رکھنے کے لئے ہمارے ملی ومذہبی ادارے قائم رہنا ضروری ہیں، ان کے خلاف جو مہم چلائی جارہی ہے وہ غلط فہمی پر یا بدنیتی پر مبنی ہے، اس کو افہام وتفہیم کے ذریعہ ہم کو تھامنا ہے۔ اور اس طرح ہم کو اس ملک میں اپنی خصوصیات وامتیازات کو قائم رکھنا ہے، اور اسکے لئے ضروری حکمت عملی اختیار کرتے رہنا ہے، اللہ تعالی مدد فرمائے اور توفیق دے، آمین۔

حضرات! بورڈ نے اپنے قیام کے وقت ہی سے اپنے لئے جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ دراصل ملت اسلامیہ کے اسلامی تشخص اور شریعت اسلامی کے تحفظ کو اپنا اصل موضوع بناتا تھا، یہ وہ موضوع ہے جس سے امت کے تمام نقطہ ہائے فکر ونظر والے اتفاق رکھتے ہیں، چنانچہ بورڈ کو اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے میں امت کے سب طبقات کا تعاون حاصل رہا، اس سے بورڈ کو پوری امت کی طرف سے نمائندگی کرنے میں بڑی مدد ملی، بورڈ کو اپنی قوت کے اس سرمایہ کو باقی رکھنے کی صرف پوری توجہ رکھنا ہے، اور اپنے سلسلہ میں ملت اسلامیہ کے متفقہ اعتماد کو مجروح ہونے سے بچانا ہے۔

بورڈ نے خدمت ملت کا جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے، اور امت کے مختلف طبقات کی اس کو جو حمایت حاصل ہوئی اس بات نے اس کو پوری امت اسلامیہ ہند کا ایسا نمائندہ بنادیا کہ مسلمانوں کی طرف سے اپنے پریشان کن معاملات میں نگاہیں مشترکہ طور پر

اسی کی طرف الحتی ہیں، بورڈ اپنی یہ ذمہ داری سمجھتا ہے کہ ان نظروں کو حتی الوسع مطمئن کرے اور اس کی کارکردگی بہتر سے بہتر ہو، بورڈ کے سامنے بنیادی طور پر جو میدان عمل ہے وہ اسلامی تشخص اور شریعت اسلامی کے تحفظ کے متنوع کام کا ہے، یہ کام اس کو ایک طرف ملت کی اندرونی زندگی میں کرنا ہے، دوسری طرف اس کو یہ کام ملت کی بیرونی زندگی میں انجام دینا ہے، اندرون ملت کا یہ کام اصلاح معاشرہ کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے کرنا ہے، اور بیرون ملت کا یہ کام اپنے ہم وطنوں کی اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں ان سے مذاکراتی اجتماعات اور ملاقاتوں کے ذریعہ اور ذمہ داران سیاست وحکومت سے افہام وتفہیم کے جمہوری طریقوں سے کرنا ہے، اسی کے ساتھ مسلمانوں کے ملی حقوق کے لئے اگر کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو اس کو دستور ہند کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں عدالت سے انصاف طلبی کی قانونی طریقے کو اختیار کرنا ہے، الحمدللہ بورڈ نے اب تک اسی طریقہ کار کو اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرات! بورڈ کے یہ جلسے بورڈ کے لئے یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ بورڈ اپنی جدوجہد کا جائزہ لیتا رہے، اور اس کی رو سے اپنی کارکردگی کو بہتر بناتا رہے، ہندوستان ایک بڑا وسیع ملک ہے، اس کی وسعت کام کی وسعت کی متقاضی ہے، اس کے لئے وسائل کی جو مقدار وسہولت چاہئے اس کی کمی کی وجہ سے کام کو بھرپور طور پر کرنے میں دشواری ہوتی رہی ہے، ہم کو امید ہے کہ بورڈ اس پر قابو پائے گا، اور ہمت وجذبہ کے حامل افراد کا جو اس کی ضرورت کو پورا کرسکتے ہیں اس کو تعاون حاصل ہوگا، اور کام میں تیزی آئے گی اور بورڈ کے تجویز کردہ اور اختیار کردہ کاموں کو مزید توجہ اور وسعت سے کرنے کی راہیں طے ہوں گی، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر میں اپنی طرف سے اور جنرل سکریٹری صاحب کی طرف سے مجلس استقبالیہ کے صدر اور ارکان کا، اور اس کے روح رواں مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس اجلاس کی مہمان نوازی کی، اور اجلاس کے لئے ضروری نظم کیا اور سہولت بہم پہنچائی، اللہ تعالیٰ ان سب کو بہت جزائے خیر دے اور قبول فرمائے۔

والسلام

❀❀❀

اسلامی نئے سال کے لئے اسلامی پیغام

پیغام حسن عمل

از: حضرت محمد سعید مجددی ناظم خانقاہ شریف مجددیہ بھوپال ورکن مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

جہانِ غیر ثابت میں عمل کوئی جو ثابت ہے — وہ خالق کی عبادت ہے، وہ رازق کی اطاعت ہے
نہیں نقش ونگارِ دہر میں خود کوئی رعنائی — ہر اک ذرہ میں تاباں ہے اسی کی جلوہ آرائی
بعلم وعقل انساں کو بنایا خلق میں اشرف — کہ اشرف ہو عمل میں بھی بفطرت بھی رہے اشرف
کیا ممتاز پھر اس کو بصورت بھی بصیرت — کہ تکمیل فضیل ہو بہیئت بھی بخصلت بھی
پیامِ حسنِ اعمالی، پیامِ زندگانی ہے
یہ فرمانِ الٰہی ہے، متاعِ کامرانی ہے

محرم کا مہینہ

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رمضان کے بعد محرم کے روزے سب سے افضل ہیں۔"

محرم کا مہینہ اسلامی تقویم کے اعتبار سے سب سے پہلا مہینہ ہے، اس ماہ کی دسویں تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور امت کو اس کی ترغیب دی، روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح نفل نمازوں میں تہجد کی اہمیت ہے اسی طرح نفل روزوں میں عاشوراء کے روزے کی اہمیت ہے، ہجرت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روزہ رکھا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہود بھی اس دن کو مقدس سمجھ کر روزہ رکھتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم موسیٰ کے زیادہ حق دار ہیں، البتہ اخیر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آئندہ سال زندگی رہی تو نویں کا روزہ اس میں شامل کرلیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے پیش نظر فقہائے امت نے بجائے ایک دن کے روزے کے دو دنوں کے روزوں کو بہتر قرار دیا ہے۔

اس ماہ سے اسلامی تاریخ کی بہت سی خوشگوار و ناخوشگوار یادیں وابستہ ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے علاوہ اور بھی بعض انبیاء وسابقین کے ساتھ اس مہینہ میں ایسے واقعات پیش آئے جو اس امت کے لئے بھی باعث مسرت وموجب شکر ہیں، مگر اس ماہ میں نواسۂ رسولؐ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وہ دردانگیز واقعہ بھی پیش آیا جس نے گذشتہ مسرت انگیز واقعات پر پردہ ڈال دیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حق کے لئے اپنی جان نچھاور کردی اور شاعر کی زبان میں یہ حقیقت سامنے آئی

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ حقائق وواقعات اس لئے نہیں ہوتے کہ ان کا سوگ منایا جائے بلکہ یہ اپنے اندر قربانی پیش کرنے اور اخلاص ووفا کا پیغام رکھتے ہیں، افسوس کی بات ہے کہ انہیں کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے جس کو مٹانے کے لئے انہوں نے جان دی، تعزیہ داری، ڈھول تاشے، ماتمی سیاہ لباس پہننا اور وہ ساری خرافات جو آج کی جارہی ہیں یہ ایک "نیا دین" ہے جو بعض مفاد پرستوں اور جاہلوں نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے، دین مصطفوی سے اس کا دور دور کا واسطہ نہیں ہے، اس مہینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو اس ماہ کے ساتھ خاص ہو، البتہ آپ نے روزہ رکھا اور اس کو پسند فرمایا، محبت رسولؐ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین وشریعت سے ہٹ کر اگر کوئی اپنے لئے نیا راستہ تلاش کرتا ہے، تو اس نے اپنی راہ کھوئی کردی۔

☆☆

عکس دیدار

تسنیم فاروقی

مکہ معظمہ

حرم کی فضا ہے جبیں سائیاں ہیں
صفا اور مروہ کی رعنائیاں ہیں
صفوں میں سروں کے پیالے سجے ہیں
افق پر فرشتوں کی پرچھائیاں ہیں
یہ پردہ جو آنکھوں کا جلوہ بنا ہے
اسی میں تو کن کی عدالت لگے گی
بس اللہ اللہ واللہ اکبر

❀❀

سفر میں ہے ابھی سانسوں کا ریشمی دھاگا
گرہ گرہ میں ترا نام باندھ رکھا ہے
طواف وسعی میں داتا کا گھر تو دیکھ لیا
ہماری روح نے احرام باندھ رکھا ہے

❀❀

مدینہ منورہ

یہ خواب ہے کہ حقیقت میں دلربائی ہے
نگاہ روضے کے روزن سے مل کے آئی ہے
فضا میں پھیلی ہے جبریلؑ کے پیروں کی شمیم
حضور پاک کے دربار میں رسائی ہے

❀❀

نثار دید ہر اک خاص وعام جاتا ہے
نگاہ بن کے ہر اک تشنہ کام جاتا ہے
نبیؐ کے پاس ہی صدیق اور عمرؓ بھی ہیں
انہی جھروکوں سے سب کا سلام جاتا ہے

❀❀

سخن دلنواز

”مسلمانوں کے مسائل وجذبات“

افہام وتفہیم کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ملک کے لئے صحیح اور محفوظ راستہ:

کچی بات یہ ہے کہ آج ہمارے ملک کے بقاء، ترقی، عزت واستحکام اور اس کا معاصر دنیا اور اس خطرناک وپیچیدہ عالمی صورتحال میں اپنا شایان شان کردار ادا کرنے کے لئے صحیح محفوظ، باعزت اور بے خطر راستہ وہی ہے جو تحریک آزادی کے مخلص دانشور اور بلند قامت وقیمت رہنماؤں پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور ان کے ساتھیوں نے تجویز کیا تھا اور وہ سچے سیکولرازم، صحیح جمہوریت اور ہندو مسلم اتحاد کا راستہ ہے، خواہ وہ کتنا طویل اور مشکل ہو، اس کے علاوہ جو راستہ تجویز کیا جائے گا اس سے خواہ عارضی ووقتی طور پر کامیابی حاصل ہو ملک کے لئے تباہ کن اور ان قربانیوں پر پانی پھیرنے والا ہے جو جنگ آزادی میں عمل میں آئیں اور ملک کو ایسی مشکلات ومسائل سے دوچار کرنے والا ہے جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

ملک کے لئے تین بڑے خطرے:

اب میں مذہب، انسانی تاریخ، فلسفہ اور اخلاق کا ایک طالب علم ہونے کے ناطے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، (اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید دوسرا شخص جس پر سیاسی طرز فکر غالب ہونہ کہے گا) کہ اس ملک کے لئے دو خطرے بڑے تشویشناک ہیں اور آپ کی پہلی توجہ کے مستحق، ایک ظلم وتشدد کا رجحان، انسانی جان ومال اور عزت آبرو کی بے قیمتی (خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو) جس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات، طبقاتی اونچ نیچ کی بنا پر پورے خاندانوں اور محلوں کی صفائی، تھوڑے سے مالی فائدہ کے لئے انسان کی جان لے لینا، سفاکانہ جرائم اور مظالم کی کثرت اور سب کے آخر میں (لیکن سب سے زیادہ شرمناک حقیقت) مطلوب ومتوقع جہیز نہ لانے پر نئی بیاہی دلہنوں کو جلا دینا، یا زہر دے کر مار دینا اور ان سے پیچھا چھڑانا ہے، جو لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں، ان کے لئے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا جو ماں سے زیادہ محبت کرنے والا اور مہربان ہے، اس عمل سے خوش نہیں ہوسکتا اور اس کو زیادہ دن باقی نہیں رکھ سکتا، لیکن جو لوگ مذاہب پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ اس سے کم درجہ کے ظلم وسفا کی کی وجہ سے بڑی بڑی شہنشاہیاں اور وہ تہذیبیں جن کا کسی زمانہ میں ڈنکا بجتا تھا اور آج بھی تاریخ وادب کے صفحات پر ان کے روشن نقوش ہیں، زوال کا شکار ہوگئیں اور داستان پارینہ بن کر رہ گئیں، اس صورت حال کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے، سیاسی مسائل اور انتخابی مہم سے زیادہ اس کے خلاف طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے، اس کے لئے گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ جانے کی ضرورت ہے، سخت قوانین، عبرتناک سزاؤں، ابلاغ عامہ کے ذرائع سے کام لینے اور انتظامیہ کو سختی سے سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ نہ بانس رہے گا نہ بانسری، دوسرا خطرہ فرقہ پرستی، جارحیت وتشدد کے کھلے رجحانات ہیں جن کے سلسلہ میں ادنیٰ سی رعایت، لچک اور نرمی سے وقتی طور پر خواہ کچھ فائدہ پہنچ جائے یا پریشانی سے بچا جا سکے، ملک کو زمین دوز اور دھماکہ خیز سرنگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا ہے جو بالآخر ملک کو لے ڈوبے گی، گاندھی جی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ فرقہ وارانہ منافرت، تشدد اور جارحیت پہلے ملک کی آبادی کے دو اہم عنصروں (ہندو مسلم فرقوں) کے درمیان اپنا کام کرے گی، پھر یہی ذیلی مذہبی اختلافات، طبقات اور برادریوں کی صف آرائی اور نسلی، لسانی، صوبائی وعلاقائی تعصبات کی شکل میں ظاہر ہوگی اور جب یہ کام بھی ختم ہوجائے گا تو وہ آگ کی طرح (جب اس کو جلانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو اپنے کو کھانے لگتی ہے) ملک کو اور امن پسند شہریوں کو اپنا لقمہ بنالے گی، اور یہ ملک تباہ ہوکر رہ جائے گا، اس لئے جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) تشدد، ایک ہی فرقہ سے مطالبات اور اس پر تنقید کا سلسلہ، اپنے کو بالکل بدل دینے اور اپنے ملی وتہذیبی ومذہبی تشخصات سے دست بردار ہوجانے کا مسلسل مطالبہ، سینکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند، فراخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارا کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو ان نئے مسائل ومشکلات سے دوچار کرے گی جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت اور اس طرح حکومت، انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت واستحکام کے لئے ضرورت ہے، اس لئے اس شگاف کو جبکہ وہ

معمولی توجہ اور مسالہ سے بند ہوسکتا ہے، اس سے پیشتر بند کردیا جائے، جب وہ ہاتھوں سے بھی بند نہیں ہوسکے گا، ملک کے اس عمومی وبنیادی مفاد کی خاطر کسی کی ناراضگی یا الیکشن کے نتائج پر اثر پڑنے یا کسی ریاستی اور مقامی انتظامیہ کی ناگواری کا خیال نہیں کرنا چاہئے، کہ ملک ان سب چیزوں سے زیادہ عزیز اور اصول، مصالح وفوائد پر مقدم ہے۔

اصول پسندی کی ایک روشن مثال:

میں اس اصول پسندی کی ایک مثال پیش کرتا ہوں جو ملک کے عظیم رہنما اور پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے پیش کی، ۱۹۵۰ء میں جب کانگریس پر بابو پرشوتم داس ٹنڈن جی کی قیادت میں (جو کانگریس کے صدر ہوگئے تھے) فرقہ پرست عناصر غالب آرہے تھے اور وہ کانگریس کو سیکولرازم اور ہندو مسلم اتحاد کے بجائے (جس کی بنیاد گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد نے ڈالی تھی) فرقہ پرستی اور ہندو احیائیت کی طرف پھیرنا چاہتے تھے اور جمہوریت واکثریت کے احترام اور اس کی پیروی میں جواہر لال جی سے بھی اس کی توقع کررہے تھے کہ وہ اپنے عمر بھر کے خیالات اور سوچنے کے طرز کو چھوڑ کر کانگریس میں رہنے کے لئے اس کو اختیار کریں گے، جواہر لال جی نے اس سے انکار کردیا، اس موقع پر انھوں نے جو تقریر کی وہ ہندوستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، گاندھی نگر ناسک میں ۲۱/ ستمبر ۱۹۵۰ء کو انہوں نے فرمایا:

”میں جمہوریت پسند نہیں ہوں، اگر اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہو کہ میں کسی ہجوم کی رائے کے سامنے جھکوں، میں کبھی ایسی بات نہیں کروں گا، جس کے غلط ہونے کا مجھے یقین ہو، اور عوام (ہجوم) چاہتے ہوں کہ اس غلط بات کو میں مانوں، ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ اگر کانگریس چاہے تو میں کانگریس سے باہر نکل کر انفرادی طریقہ پر اپنے خیالات کے لئے لڑوں“.... ”کچھ لوگ مجھ سے آکر کہتے ہیں کہ فلاں بات نہیں مانتا اور جمہوریت کی آواز آگے بڑھ رہی ہے، دراصل یہ بزدلوں کی دلیل ہے، اگر جمہوریت کا مطلب ہجوم کے آگے جھکنا ہے تو ایسی جمہوریت کو جہنم واصل ہونا چاہئے، اس قسم کی ذہنیت جہاں بھی سر اٹھائے گی میں اس کے خلاف لڑوں گا، ہاں جمہوریت مجھ سے وزارت چھوڑنے کو کہہ سکتی ہے، میں اس کا حکم مانوں گا، اگر کانگریسی یہ چاہتے ہیں کہ وہ آنے والے انتخابات میں چند ووٹ حاصل کرنے کے لئے اپنے اصول ونظریات چھوڑ بیٹھیں تو کانگریس مردہ ہوجائے گی، مجھے ایسی لاش کی ضرورت نہیں۔“

تیسری چیز فوری توجہ کی مستحق اور تشویش کا باعث ہے، وہ اخلاقی وانتظامی انتشار اور کرپشن ہے، جو اس حد تک پہنچ گیا ہے جس کی نظیر کم سے کم مجھے اس ملک کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملی، آپ اس سلسلہ میں سرکاری رپورٹوں اور ملک کے نظم ونسق کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ترقی کو نہ دیکھیے، عام شہریوں، متوسط درجہ کے آدمیوں اور ان لوگوں سے پوچھیے جن کا عدالتوں، دفاتر، ریلوے، ہوائی سروس، پولیس، تھانوں، ٹیلی فون، ہسپتالوں، سرکاری ٹھیکوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے کام پڑتا رہتا ہے، رشوت کے بغیر ادنیٰ درجہ کا کام نہیں ہوسکتا، پیسہ کے ذریعہ ہر کام کرایا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ملک کے راز بھی بیچے جاسکتے ہیں، دواؤں اور غذاؤں میں ملاوٹ ہورہی ہے، طبی امداد ملنی مشکل ہورہی ہے، مریضوں کے لئے جو انتظامات ہیں وہ بیکار جارہے ہیں، سنگدلی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، ریلوے ہوائی سروس میں رشوت کی گرم بازاری سے حکومت کو روزانہ لاکھوں، کروڑوں روپے کا نقصان ہورہا ہے۔

اس سب کی جڑ میں پیسہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، خدا کا خوف دل سے نکل جانا اور انسان سے ہمدردی، ملک سے وفاداری اور اس کے مفاد کو ترجیح دینے اور اس کے نقصان کا خیال رکھنے کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں ملک صنعتی طور پر، سیاسی طور پر، خارجی تعلقات کی بنیاد پر ترقی اور تعلیم کی اشاعت اور خواندگی کا تناسب بڑھ جانے کے باوجود تیزی سے زوال کی طرف جارہا ہے اور لوگ زندگی سے عاجز آگئے ہیں۔ ☆☆☆

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی دیرینہ خواہش کی تکمیل میں شائع کئے جانے والے انگریزی سہ ماہی ”دی فریگرینس آف ایسٹ“ نے اپنی اشاعت کے الحمدللہ چار سال پورے کرلئے ہیں۔
فریگرنس کا تازہ شمارہ ”مدارس پر خصوصی نمبر“ ہے جو دستاویزی حیثیت رکھتا ہے، اسے خریدیں اور فریگرنس کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنواکر جریدہ کو مقبول بنانے میں ہمارا تعاون فرمائیں۔
زرتعاون: سالانہ سو ۱۰۰/ روپے درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔
Secretary :
Majlise Sahafat -wa- Nashriat C/o Tameer-e- Hayat
Nadwatul Ulema Lucknow 226007

اس ماہ کا مضمون

ماہِ محرم الحرام کی اہمیت وفضیلت

مفتی محمد زید مظاہری ندوی

محرم الحرام کا مہینہ بڑی عظمت وحرمت والا مہینہ ہے، اس کی عظمت وحرمت کو خود قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔

"مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینہ ہیں، جس روز اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کئے تھے، اسی روز سے اور ان میں چار مہینے خاص ادب کے ہیں، یہی دین مستقیم ہے سو ان میں اپنے اوپر ظلم مت کرو"۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"پوری امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ان حرمت والے چار مہینوں سے مراد یہ مہینے ہیں، محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ"۔

اور فرماتے ہیں کہ ان مہینوں کی حرمت کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں طاعت کا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں پر عذاب اور وبال بھی سخت ترین ہوگا، لہٰذا خاص طور پر ان مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنے اوپر ظلم مت کرو، کیونکہ ان مہینوں میں ثواب وعقاب دونوں کی زیادتی ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ص۵۲ ج۶)

علامہ آلوسیؒ اور قرطبیؒ نے بحث کرتے ہوئے اصولی انداز میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات اور اوقات کو بعض پر فوقیت بخشی ہے، جن میں طاعات کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے اور معاصی کا عذاب اور وبال بھی سخت ہو جاتا ہے، مثلاً احرام میں یا حرم پاک میں کوئی گناہ کرنے لگے تو اس کا عذاب سخت ترین ہوگا، یہی حال ان مہینوں کا بھی ہے۔

(روح المعانی ص۹۲ ج۱۰- قرطبی ص۸۶ ج۸)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے حضرت قتادہؓ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ ان مہینوں میں نیک کاموں کا اجر بھی زیادہ ہوگا اور گناہوں کا وبال بھی سخت ہوگا۔ (تفسیر مظہری ص۲۰۲ ج۴)

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں ان مہینوں کی حرمت وعظمت سے متعلق حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ان مہینوں کی حرمت اب بھی باقی ہے اور اخیر وقت تک باقی رہے گی، اسلاف کا یہی مذہب ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عظمت وحرمت کو دل سے تسلیم کیا جائے، اللہ کے محرمات یعنی جن باتوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے پورے طور پر احتراز کیا جائے، یہی اس کی حرمت کا مطلب ہے۔"

(ابن کثیر ص۴ ج۲)

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے۔"

(معارف القرآن ص۳۷۰ ج۴)

ماہ محرم کی خصوصی فضیلت اور اس ماہ میں روزہ رکھنے کی اہمیت

علماء کرام نے اس سلسلہ میں بحث کی ہے کہ اشہر الحرم (یعنی حرمت والے ان چار مہینوں) میں سب سے زیادہ حرمت وعظمت والا مہینہ کون سا ہے، حضرت حسن اور دیگر محققین کی رائے یہ ہے کہ سب سے زیادہ حرمت والا مہینہ محرم کا ہے، متاخرین علماء نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

(لطائف المعارف لابن رجب حنبلی ص۳۱)

(البتہ دیگر نصوص ودلائل کی بنا پر رمضان المبارک کا استثناء ثابت ہے) نسائی شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ تمام مہینوں میں سب سے افضل کون سا مہینہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا "افضل الأشهر شهر الله الذي تدعونه المحرّم" یعنی تمام مہینوں میں افضل ترین اللہ کا مہینہ ہے جس کو تم محرم سے یاد کرتے ہو۔

(نسائی)

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ رمضان شریف کے بعد سب سے افضل روزے کون سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "افضل الصيام بعد شهر رمضان شهر الله المحرم" یعنی رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے یعنی محرم کے ہیں۔ (مسلم شریف)

ترمذی شریف کی روایت میں ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بتلائیے کہ رمضان کے بعد سب سے زیادہ روزے کس ماہ میں رکھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے علاوہ اگر روزے رکھنا ہے تو محرم کا جو کہ اللہ کا مہینہ ہے اس کے لئے زیادہ مناسب ہے، اس میں روزے رکھا کرو، جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور دوسروں کی بھی توبہ قبول کرے گا۔ (ترمذی شریف)

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے، اللہ نے ان کو اس ماہ میں نجات عطا فرمائی تھی۔

(تحفۃ الاحوذی ص۳۶۹ ج۳)

ان احادیث کی روشنی میں محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ اس ماہ میں عاشوراء یعنی دسویں محرم کے علاوہ بھی اس مہینے میں روزے رکھنے کی اہمیت اور فضیلت ہے۔

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محرم میں بکثرت روزے رکھنا ثابت نہیں بلکہ بجائے محرم کے شعبان میں بکثرت روزے رکھنا وارد ہوا ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس حقیقت کا علم یعنی محرم کی اس فضیلت واہمیت کا علم آپ کو اخیر زندگی میں دیا گیا جس کی آپؐ نے امت کو اطلاع دی، یا دیگر عوارض ومشاغل، بیماری سفر وغیرہ کی وجہ سے محرم میں بکثرت روزے رکھنے کی نوبت نہ آسکی۔

(نووی شرح مسلم ص۳۶۸ کذا فی تحفۃ الاحوذی ص۳۶۸ ج۳)

امام رازی نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث بغیر سند کے نقل فرمائی ہے کہ اشہر حرم کا ایک روزہ تیس روزوں کے برابر ہے، واللہ اعلم

(تفسیر کبیر ص۵۲ ج۱۶)

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (متعدد احادیث میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اللہ کا مہینہ فرمایا ہے، اس ماہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف خصوصی نسبت کرنا خود اس کے شرف اور اس کی خصوصی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی طرف اسی چیز کی نسبت کرتا ہے جو اس کی مخلوق میں بہت خاص ہو۔

(لطائف المعارف لابن رجب ص۳۲)

حضرت ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس ماہ محرم کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف نسبت کرنا اور اس کو اللہ کا مہینہ قرار دینا محض اس کی عظمت کی وجہ سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کا صرف پہلا عشرہ نہیں بلکہ پورا مہینہ ہی افضل ہے۔

(مرقاۃ باب صیام التطوع ص۲۸۶ ج۴)

اس ماہ کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس مہینہ کی سب سے پہلی تاریخ کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"وَالْفَجْرِ"

اس کے تحت مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، تفسیر قرطبی میں حضرت قتادہؓ اور ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد محرم کی پہلی تاریخ ہے جس سے سال کی ابتدا ہوتی ہے، "وَالْفَجْرِ" يعني فجر يوم النحر، قال قتادة هو فجر اول يوم من المحرم ومنه تنفتجر السنة (قرطبی ص۲ ج۲۱)

ابن رجب حنبلیؒ نے بھی اپنی کتاب میں اس کو نقل فرمایا ہے۔

محرم کے پہلے عشرہ کی فضیلت

یوں تو محرم کا پورا مہینہ ہی افضل ہے لیکن خاص طور پر اس کے پہلے عشرہ کی اہمیت زیادہ ہے، حافظ ابن رجب نے ابوعثمان النہدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے اسلاف تین عشروں کی بڑی عظمت اور اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، ایک رمضان شریف کا اخیر عشرہ، دوسرے ذی الحجہ کا پہلا عشرہ، تیسرے محرم کا پہلا عشرہ۔

نیز وہب بن منبہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم سے کہیے کہ محرم کے پہلے عشرہ میں توبہ کریں اور جب عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ ہو تو میری طرف آئیں میں ان کو معاف کردوں گا، اپنی رحمت متوجہ کروں گا۔

(لطائف المعارف ص۳۱)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تیس دن کے بعد پورے چالیس دن کرنے کے لئے دس دن کا اضافہ فرمایا تھا، وہ یہی محرم کے دس دن تھے، چنانچہ جب چالیس راتیں پوری ہوگئیں تو دس محرم کو حق تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

(حوالہ مذکور)

عاشوراء - محرم کی دسویں تاریخ کی اہمیت وفضیلت

عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ کی اہمیت وفضیلت سب سے زیادہ ہے، بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ محرم کے پورے مہینہ کی فضیلت ہی عاشوراء کی وجہ سے ہے، لیکن حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ پورا مہینہ ہی افضل ہے۔ (مرقاۃ ص۲۸۶ ج۴)

یوم عاشوراء کی اہمیت وبرکت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ اپنے بندوں پر اسی دن ہوئی اور انعامات خداوندی اور نصرت وبرکت کے متعدد واقعات اسی دن کے منقول ہیں۔

امام التفسیر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو توبہ کی توفیق اور آپ کی توبہ کی قبولیت اسی دن یعنی محرم کی دسویں تاریخ جمعہ کے دن ہوئی، وکان ذلك في يوم عاشوراء في يوم جمعة۔

(قرطبی ص۳۲۲ ج۱)

حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے مصنف عبدالرزاق سے حدیث پاک نقل فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عاشوراء کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی، نیز حضرت عباس سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

(لطائف المعارف ص۵۳)

یہی وہ دن ہے جس میں حضرت یونس علیہ

السلام پر حق تعالیٰ کی رحمت خاصہ متوجہ ہوئی اور آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات نصیب ہوئی، چنانچہ ابو موسیٰ المدینی نے اپنی سند سے حضرت علیؓ سے نقل فرمایا ہے کہ یونس علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی۔ (لطائف المعارف لابن رجب ص ۵۳)

یہی وہ بابرکت دن ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جلیل القدر پیغبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل میں راستہ بن جانا اور فرعون کے مظالم سے نجات پانا اور فرعون اور اس کی فوج کا دریائے نیل میں غرق ہوجانا، اسی تاریخ میں ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عاشوراء کا روزہ رکھا، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۴ فتاویٰ ابن تیمیہؒ)

عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ ہی ہے جس میں نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور تمام مومنین کو کفار کے مظالم سے نجات نصیب ہوئی تھی جس کے شکریہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے بھی عاشوراء کا روزہ رکھا تھا، چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے جس کو حافظ حجرؒ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

(فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۴)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ تاریخ (دس محرم) ہے جس میں حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۱۱۸ ج ۱۱)

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں مفصل کلام فرمایا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ عاشوراء کو عاشوراء کہتے ہی اسی وجہ سے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس بڑے بڑے انعامات اس کے مخصوص بندوں کو عطا ہوئے۔

علامہ عینیؒ نے ان دس انعامات کی تفصیل ذکر فرمائی ہے اور کچھ مزید انعامات کا بھی ذکر کیا ہے، جن میں بعض تو وہ ہیں جو ماقبل میں مذکور ہیں، مزید یہ ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اسی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان میں اٹھالئے جانے والا واقعہ اسی تاریخ میں پیش آیا، اور یہی وہ دن ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام تاریک کنویں سے نکالے گئے، اور ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی بھی اسی دن واپس لوٹائی گئی، یہی وہ محرم کا مہینہ اور دس تاریخ ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام کو طویل علالت اور شدید مضرت کے بعد مہلک بیماریوں سے شفا نصیب ہوئی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے خصوصی نعمت یعنی ملک وحکومت بھی ماہِ محرم کی اسی تاریخ کو عطا ہوئی، اور سید الانبیاء سرکار دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر کا پروانہ بھی اسی مہینہ کی دس تاریخ کو عطا کیا گیا، یہی ساری تفصیل علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں باب صیام عاشوراء کے تحت ذکر فرمائی ہے۔

(عمدۃ القاری ص ۱۱۸ ج ۱۱)

گذشتہ تفصیلات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ محرم کا مہینہ بڑا مقدس اور بڑی رحمت وعظمت اور خیر وبرکت والا مہینہ ہے، اس کی حرمت وعظمت کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اللہ کا مہینہ فرمایا ہے، اور اس مہینہ میں اللہ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات اور انوار وبرکات کی بارش ہوتی ہے اور اس کی یہ حرمت وعظمت ابن کثیرؒ کی تصریح کے مطابق آج بھی ہے، اور اخیر تک رہے گی۔

امت مسلمہ کے لئے ضروری ہدایات وتنبیہات

(۱) محرم کا مہینہ بیشک بڑی حرمت وعظمت اور خیر وبرکت والا ہے، جس میں نیک کاموں کا ثواب اور گناہوں کا عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے، اسی لئے مسلمانوں کو اس ماہ میں خاص طور پر حرام اور ناجائز کاموں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ان اعمال کو زیادہ سے زیادہ اختیار کرنا چاہئے جن سے اللہ کی رحمت اور اس کی طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے۔

(۲) اس مہینہ میں جو بھی نیک کام کیا جائے گا وہ خیر وبرکت کا باعث ہوگا اور اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا، اس مہینہ کو منحوس سمجھنا یا اس کو رنج وغم کا مہینہ سمجھنا یا اس میں خوشی اور خیر کے کام مثلاً بیاہ شادی، منگنی، تاریخ کا تعین، رخصتی وغیرہ کو معیوب سمجھنا بہت بڑی اعتقادی غلطی ہے، شیطانی دھوکہ اور کھلی ہوئی گمراہی ہے کہ جو مہینہ سب سے افضل اور جس کو اللہ کے رسول نے اللہ کا مہینہ قرار دیا ہو جس ماہ میں اللہ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات اور برکات کی بارش ہوتی ہو اس مہینہ یا اس کی کچھ تاریخوں کو معیوب ومنحوس سمجھا جائے؟ درحقیقت یہ ایسی اعتقادی غلطی ہے جس سے توبہ لازم ہے۔

آج امت کا بڑا طبقہ اس غلطی میں مبتلا ہے کہ وہ اس مہینہ میں کسی خوشی اور خیر کے کام انجام دینے کو اچھا نہیں سمجھتے، دکان، مکان کے افتتاح یا نکاح رخصتی وغیرہ کے متعلق ان کا خیال ہوتا ہے کہ اگر اس ماہ میں یہ کام انجام دیئے گئے تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا، شادی پھلے گی نہیں، میاں بیوی میں نباہ نہ ہوگا، دکان ومکان میں خیر وبرکت نہ ہوگی، قطع نظر اس سے کہ بدفالی وبدشگونی کی ہماری شریعت میں گنجائش نہیں۔

عالم اسلام

ترکی میں اسلامی بیداری —— اندیشے اور امیدیں

—— مولانا نذر الحفیظ ندوی

یورپ نے ترکی کو "مرد بیمار" کا خطاب دیا تھا، اس لئے کہ وہ ان کی نظروں میں تہذیب وثقافت کے میدان میں پسماندہ اور سیاسی وفوجی لحاظ سے بیمار تھا، اسی بیماری کو دور کرنے کے لئے اس نے مصطفیٰ کمال پاشا کو ترکی پر مسلط کردیا، پوری اسلامی دنیا کے لئے سب سے زیادہ منحوس دن وہ تھا جب اس دشمن اسلام نے بیک جنبش قلم خلافت اسلامی کا خاتمہ کردیا، عربی رسم الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط اور اسلامی شریعت کی جگہ مغربی قوانین زور وزبردستی سے نافذ کرنے کی کوشش کی، اس نے فوج اور قانون کے ذریعہ ترکی کو سینکڑوں سال پیچھے عہد جاہلیت میں پہنچانے کی سعی نامراد کی اور ہزاروں علماء اور دین کے داعیوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا، لیکن خون صد ہزار انجم کے بعد سحر کو نمودار ہونا تھا، سو ہوا —— افق سے آفتاب اسلام کو ابھرنا تھا سو ابھرا —— ولو کرہ الکافرون، ہم ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اس میں خاص عبرت ہے۔ (ن-ح)

ترکی کے تازہ عام انتخابات میں اسلام پسند انصاف پارٹی نے پانچ سو پچاس پارلیمانی سیٹ میں سے تین سو تریسٹھ سیٹ پر قبضہ کر کے آج سے پچاس سال قبل کی یاد تازہ کردی، جس میں پہلی بار کمال اتاترک کی قائم کردہ استبدادی حکومت کا خاتمہ کردیا گیا تھا، تازہ انتخابی نتائج سے بھی ترک فوج کی بالادستی اور اس کی مطلق العنانی کے لئے اسی طرح خطرات پیدا ہوگئے ہیں جس طرح ۱۹۵۰ء کے انتخابات سے ہوئے تھے، بالآخر فوج نے ۱۹۶۰ء میں سول حکومت کا خاتمہ کر کے جمہوریت اور اسلامیت کا گلا گھونٹ دیا تھا، یہی اندیشے اس وقت بھی پیدا ہو رہے ہیں لیکن پہلے کے مقابلہ میں کم۔

۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے صدیوں سے قائم خلافت اسلامیہ ختم کر کے خلیفہ عبدالحمید کو معزول کردیا، اس پر اکتفا نہ کر کے اس نے ترک مسلمانوں پر بدترین لادینی حکومت مسلط کردی، اس کی اسلام دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے مسلمانوں پر جرمن اور سوئزرلینڈ کا قانون مسلم پرسنل لا کے بجائے نافذ کردیا، یورپی لباس کا استعمال سب کے لئے لازم کردیا، عربی رسم الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط لازمی قرار دیا، عربی میں اذان ممنوع قرار دے دیا، پردہ اور دینی تعلیم پر پابندی عائد کردی گئی، اس کے نتیجہ میں ہزاروں علماء کو جیل یا انھیں تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا، تصوف کے سلاسل سے تعلق رکھنے والی خانقاہوں اور ان کے قائم کردہ مدارس کو بند کردیا گیا، پھر ترکی میں وہ بدترین فوجی ڈکٹیٹرشپ مسلط ہوگئی جس نے کمیونسٹ روس کی طرح اسلام اور مسلمانوں کی تمام علامتوں کو کھرچ کھرچ کر ختم کرنے کے لئے سارے وسائل لگا دیئے گئے، مصطفیٰ کمال نے اپنی زندگی میں قوانین بنا کر یہ اطمینان کرلیا کہ کسی طرح بھی اسلام اور مسلمان اس سرزمین پر باقی نہ رہ سکیں، چنانچہ اس کی وفات کے بعد اس کے وفادار ساتھی فوزی شقماق نے فوج کی قیادت سنبھالی جبکہ جنرل عصمت انونو نے حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے ذمہ داری لی، مصطفیٰ کمال کے برعکس حکومت اور فوج کی قیادت دو الگ الگ جنرلوں نے سنبھالی، جبکہ کمال مطلق العنان حکمراں کے طور پر دونوں منصب پر قابض تھے۔

جنرل عصمت انونو نے مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح سفاکی کے نئے ریکارڈ قائم کئے، انھوں نے کرد ہوتے ہوئے بھی کردستان کے کردوں کی مخالفت کو بزور طاقت ختم کرنے پر ساری قوت صرف کردی، لیکن لاکھوں کردوں کو ختم کرنے اور ان کی اجتماعیت کا شیرازہ بکھیرنے کے باوجود ان کے دلوں اور دماغوں سے اسلام کی محبت نہ نکال سکے، بقول ایک ترک دانشور کے یہ ممکن ہے کہ آپ سمندر خشک کردیں لیکن ترکوں کے دلوں سے اسلام کی محبت نہیں نکال سکتے۔

یہ ایک روشن اور تابناک حقیقت ہے کہ اگر تصوف کے سلاسل ترکی میں نہ ہوتے تو اندلس کی طرح ترکی سے بھی اسلام اور مسلمانوں کا جنازہ نکل گیا ہوتا، نقشبندی، نوری، تیجانی اور حلیمیہ سلیمانیہ سلاسل کی خانقاہیں کمال کے استبدادی دور میں بھی زیر زمیں عوام وخواص کی دینی واخلاقی رہنمائی کے فرائض انجام دینے میں مصروف رہیں، نقشبندی سلسلہ کے رہنما شیخ سعید کردی، شیخ عاطف اور شیخ اسعد قید وبند کی صعوبتوں اور تختۂ دار کی پروانہ کرتے ہوئے پورے ملک میں حفظ قرآن کے مدارس قائم کرتے رہے، ضرورت پڑی تو ہزاروں ترکوں نے تختۂ دار کا بھی انتخاب کیا، خود شیخ سعید کردی شہادت کے خلعت سے سرفراز ہوئے اور ان کے دو سو کے قریب مریدین بھی، ہزاروں کے گھر منہدم کردیئے گئے، لیکن انھوں نے کسی قیمت پر بھی کمالی اصلاحات کو قبول نہیں کیا، زیر زمیں قائم دینی مدارس اور خانقاہوں نے ہزاروں کی تعداد میں ہر سال حفاظ اور امام وخطیب تیار کرنے کا کام جاری رکھا، خانقاہوں نے توبہ وبیعت کے ذریعہ عوام کے عقائد واخلاق اور اسلامی معاشرے کی حفاظت ونگرانی کا کام جاری رکھا، اس کے ساتھ اقتصادی، سماجی اور تعلیمی وسیاسی میدان میں بھی اپنی ذمہ داریوں سے غفلت نہیں برتی، انقلابی رہنما سعید النورسی کی طاقتور شخصیت نے بڑی جرأت سے کمالی اقدامات کی جہاں مخالفت کی وہیں ان کے مریدین نے مثالی تعلیمی ادارے، اسلامی ہوسٹلز، کارخانے، نشر واشاعت کے ادارے اور کمپنیاں قائم کیں۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی ملکوں میں

جمہوریت کی فضا دیکھ کر ترکی میں قائم بدتر فوجی حکومت کے خلاف جب آوازیں اٹھنے لگیں تو جنرل عصمت انونو نے بھی حالات کا رُخ دیکھ کر فیصلہ کیا کہ ایک پارٹی کے بجائے حزب مخالف کو بھی ترکی پارلیمنٹ میں آنے کا موقع دیا جائے، چنانچہ جلال بایار اور عدنان مندریس نے اپنی نئی پارٹی قائم کی، ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ڈیموکریٹک پارٹی نے پہلی بار الیکشن میں حصہ لیا تو اسے اکسٹھ سیٹیں حاصل ہوئیں، حکمراں جماعت رپبلیکن پارٹی نے قوانین کے ذریعہ حزب مخالف کو لگام دینا چاہا تو خود حکمراں پارٹی کے ممبران نے اس کی مخالفت کی، اس حد تک کہ ۴۷ ممبران نے استعفیٰ دے کر حزب مخالف میں شمولیت اختیار کرلی، یہ صورت حال دیکھ کر حزب مخالف نے مزید آزادی کا مطالبہ کردیا، نیشنل کونسل نے ان حالات کے پیش نظر ۱۵ فروری ۱۹۵۰ء کو عام انتخابات منعقد کرانے کا فیصلہ کردیا، ڈیموکریٹک پارٹی نے اس الیکشن میں چار سو پچاس سیٹوں میں سے چار سو تین سیٹوں پر قبضہ کرلیا، جبکہ حکمراں جماعت کو ۲۹ سیٹوں پر سمٹنا پڑا، جو صرف فوجی حکمرانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ مغربی ملکوں کے لئے بھی چونکانے والی بات تھی، جلال بایار ملک کے صدر اور عدنان مندریس وزیر اعظم ہوئے، نئی حکومت کے سربراہ نے افتتاحی اجلاس میں کمال اتاترک کا نام تک نہیں لیا، اس نے سب سے پہلے قانون بنا کر عربی میں اذان دینے اور دینی مدارس قائم کرنے اور ریڈیو، ٹی وی پر اسلامی پروگراموں کی اجازت دے دی، جس وقت برسوں کی پابندی کے بعد عربی میں اذان کی آواز بلند ہوئی تو لاکھوں ترک سجدے میں گر گئے، ہزاروں مینڈھے صدقے میں ذبح کردئیے گئے، ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان ترکوں کو جو آزادی ملی اس سے انھوں نے فائدہ اٹھایا، اس مدت میں حفظ قرآن کے مدارس کثرت سے قائم ہوئے، ائمہ اور خطیب تیار کرنے کے ادارے حکومت اور پرائیویٹ سطح پر قائم ہوئے، جہاں سے حفاظ اور ائمہ تیار ہو کر یونیورسٹی کی تعلیم جاری رکھتے، اس دور میں مشہور داعیوں، مصنفوں اور ممتاز علماء و مفکرین کی کتابوں کے ترکی میں ترجمے شائع ہو کر مقبول ہوئے، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، (مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تمام تصنیفات کے ترجمے ایک ترک ندوی فاضل یوسف صالح قراجہ نے کئے ہیں) دوسرے مصنفین اور داعیوں میں مولانا مودودیؒ، سید قطبؒ، حسن البنا شہیدؒ، یوسف القرضاوی، محمد الغزالیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۹۶۰ء میں ترک فوج نے اسلام پسند حکومت کا خاتمہ کردیا، عدنان مندریس اور ان کے رفقاء کو تختۂ دار پر لٹکا دیا، لیکن اس کے باوجود اسلام پسندوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے مزید قوت کے ساتھ دعوتی میدانوں میں لگ گئے، حفظ قرآن اور ائمہ و خطیب کے اداروں سے فارغ ہونے والے حضرات یونیورسٹی کی سطح تک اپنی تعلیم مکمل کرکے حکومت کے مختلف اداروں اور مناصب پر فائز ہونے لگے، ۱۹۵۱ء سے ۱۹۹۸ء تک حفظ قرآن اور ائمہ و خطیب کے اداروں سے فارغ ہونے والوں کی تعداد ۱۵ لاکھ ہوگئی، اس لئے ترک فوج نے ۱۹۹۸ء میں نجم الدین اربکان کی حکومت کو گرانے کے لئے جو الزامات اور جرائم گنوائے ان میں سرِ فہرست یہ جرم بھی تھا کہ یہ ائمہ اور خطیب ووٹ بنک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۹۶۰ء کے انقلاب نے نئے انتخابات کا اعلان کیا تو اس میں رپبلیکن پارٹی کو ۱۷۳ اور جسٹس پارٹی کو ۱۵۸ سیٹیں ملیں، یہ پارٹی ڈیموکریٹک پارٹی کی جگہ قائم کی گئی تھی، جنرل جمال گورسیل کو صدر جمہوریہ مقرر کیا گیا، ۱۹۶۹ء میں جب نئے انتخابات ہوئے تو کرنل ترکیش نے ترک نوجوانوں کے تعاون سے نئی پارٹی بنائی، انھوں نے نئے سیاسی واقتصادی اصلاحات نافذ کرنے کا عزم ظاہر کیا، اس انتخاب کے موقع پر پروفیسر نجم الدین اربکان سامنے آئے، جن کو ترکی ایوان تجارت نے اپنا صدر منتخب کیا تھا، انھوں نے وزیر اعظم سلیمان ڈیمرل کے سیاسی واقتصادی پروگراموں کی جم کر مخالفت کی اور الزام لگایا کہ وہ اسلامی نعروں کے ساتھ حکومت میں آئے تھے، مگر کرسی ملنے کے بعد اپنے وعدوں سے مکر گئے، اربکان نے جسٹس پارٹی سے استعفیٰ دے دیا، قونیا شہر کے لوگوں نے آزاد ممبر کی حیثیت سے انھیں منتخب کرکے پارلیمنٹ بھیج دیا، یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔

سلیمان ڈیمرل کی پالیسی کے نتیجہ میں پورے ملک میں انارکی پھیل گئی، فوج نے کئی بار وارننگ دی، حکومت نے بعض سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگادی، کمیونسٹوں اور مزدوروں کی سرگرمیوں اور ان کے دفاتر بند کردیئے، ملت اور نیشنل پارٹی کی بندش کے بعد بلند اجوید نے متحدہ محاذ کے تعاون سے نئی حکومت بنائی، مگر وہ بھی ناکام رہی، بالآخر نجم الدین اربکان نے ۱۹۷۳ء میں سلامت پارٹی قائم کرکے عام انتخابات میں حصہ لیا، انھیں ۱۹۷۳ء کے عام انتخابات میں ۴۸ سیٹیں ملیں، ۱۹۸۰ء تک اربکان اور ان کے ہمنوا سرگرم عمل رہے، مگر فوج نے پھر ان پر دس سال کے لئے پابندی لگادی، اس میں اس بار مزید شدت برتی گئی، سینکڑوں اساتذہ، فوجی افسروں اور حکومتی عہدیداروں کو معزول بلکہ کسی بھی ذریعۂ ملازمت کے حصول کی بھی ممانعت کردی گئی، دوسری طرف بڑے پیمانہ پر پھانسیاں دی گئیں، حکومت کے خلاف مظاہروں میں شدت آنے لگی تو پولیس فائرنگ روزمرہ کا معمول بن گئی، اس سیاسی تشدد میں ۱۹۷۳ء میں ۲۳۰، ۱۹۷۸ء میں ۱۲۰۰ اور ۱۹۷۹ء میں پندرہ سو تک مرنے والوں کی تعداد پہنچ گئی، سیاسی استقرار و استحکام کا خاتمہ ہوگیا، یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۹ء تک بارہ حکومتیں آئیں

اور گئیں، گویا ہر نو ماہ پر ایک حکومت بنتی تھی، اقتصادی نمو کی شرح گھٹ کر صفر اور افراط زر ۸۵٪ سے زیادہ ہوگئی۔

اس صورت حال کو دیکھ کو فوج نے پھر انقلاب کا فیصلہ کیا، اس سال نجم الدین اربکان اور ان کی پارٹی نے بیت المقدس کی بازیابی کے لئے ایک زبردست ریلی کا اہتمام کیا تھا، جس سے فوج گھبرا گئی، اس کی عدالتوں نے سرسری فیصلوں کے ذریعہ ساڑھے تین ہزار سے زائد لوگوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا، سیاسی اور دینی جماعتوں سے تعلق رکھنے والوں کو بڑے پیمانے پر جیلوں میں ڈال دیا گیا۔

۱۹۸۰ء کے انقلاب نے سیاسی فساد کو جڑ سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا، جنرل کنعان ایورین نے اس حکومت کی صدارت سنبھالی، قومی سلامتی کونسل نے ملک کی باگ ڈور ۲ فوجی جنرلوں کے ہاتھ میں دے دی، جنھوں نے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کیں، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہوگئی، استنبول وانقرہ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو سیاسی اور دینی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں کسی طرح کی ملازمت سے محروم کردیا گیا، تعلیم، صحافت اور تجارت کی نگرانی براہ راست فوج کرنے لگی، اس میں اس نے اتنی سختی کی کہ کمال اتاترک کے نکالے ہوئے اخبار جمہوریت کی اشاعت پر بھی پابندی لگادی، اس صورت حال نے پورے ملک کو بے چین بنادیا، فوج نے صدر جمہوریہ کنعان ایورین کو جو دستور بنا کر دیا تھا، اس میں صرف تین سیاسی جماعتوں کو اس شرط پر انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی تھی کہ وہ فوج سے باقاعدہ منظوری لے کر سیاسی جماعت بنائیں گے، اس سیاسی نظام میں خواتین اور نوجوانوں سے متعلق کوئی شعبہ نہ ہوگا، چنانچہ ۱۹۸۳ء کے عام انتخابات میں جن تین سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا تھا ان کے نام یہ تھے، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، پیپلز پارٹی، مدرلینڈ پارٹی، اس پارٹی کے سربراہ ترگت اوزال تھے، جو ۱۹۶۹ء اور ۱۹۸۰ء میں وزیر مالیات تھے، اور جنھوں نے اقتصادی اصلاحات کا پروگرام پیش کیا تھا، ترک عوام فوج سے اتنے بیزار تھے کہ جن پارٹیوں کو فوج کی حمایت حاصل تھی انھیں انتخابات میں ووٹ ہی نہیں ملے، البتہ ترگت اوزال کو بڑے پیمانے پر ووٹ ملے، جو ۴۵ فیصد تک تھے، چنانچہ اوزال ہی کو حکومت کی تشکیل کے لئے بادل ناخواستہ فوج نے دعوت دی، حالانکہ اسلام پسندوں نے عام طور پر ان کو ووٹ دیا تھا، جو حکومت تشکیل پائی اس میں نو وزراء انجینئر تھے، اس لئے ترک صحافت نے اس کو انجینئروں کی حکومت کا نام دیا، اس لئے کہ خود اوزال بھی انجینئر تھے اور نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن انھوں نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ تدریجی طور پر بغیر کسی پروپگنڈہ کے جمہوریت کی بحالی کے اقدامات کئے، میونسپلٹی اور کارپوریشنوں کے انتخابات کرانے کا اعلان کیا، اوزال اور اربکان کی پارٹیوں کو ۴۵ فیصد ووٹ ملے، فوجیوں کے تعاون سے جو پارٹی کھڑی ہوئی اس کو سات فیصدی سے بھی کم ووٹ ملے، ۱۹۸۳ء کے انتخابات میں کنعان ایورین کی جگہ اوزال کو صدر جمہوریہ بنایا گیا، ان کے آتے ہی دستور میں بنیادی تبدیلی کرکے دینی وطبقاتی بنیادوں پر سیاسی سرگرمیوں پر لگی پابندیوں کو ختم کردیا گیا، دوسری تبدیلی یہ کی گئی کہ ووٹ دینے کی عمر اٹھارہ سال کردی گئی، اس کا براہِ راست فائدہ اوزال اور اربکان کی پارٹیوں کو ہوا، اوزال نے اسلام پسندوں کو کھلی چھوٹ دے دی، وہ پہلے ترک صدر تھے، جنھوں نے حج کیا اور پابندی سے جمعہ کی نماز ادا کرنے مسجد سلیمانیہ جاتے تھے، سال میں ایک بار خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کے مزار کی زیارت کے لئے ازبکستان جاتے تھے، ریڈیو اور ٹی وی پر دینی پروگرام آنے لگے، ائمہ اور خطیب تیار کرنے والے اداروں کی سرکاری امداد بحال کردی گئی، نیز ان میں داخلہ لینے والوں کا کوٹہ بھی بڑھا دیا گیا، تعلیمی اداروں میں ڈارون اور دیگر مغربی واشتراکی ملحدین کے نظریات کی تدریس پر پابندی لگا دی گئی، اوزال کے عہد میں وزارت اوقاف سے متعلق ادارے قائم کئے گئے، اس کی وجہ سے نقشبندی، حلیمیہ سلیمانیہ، تیجانی اور نوری جماعتوں نے خوب فائدہ اٹھایا، چنانچہ ان جماعتوں نے دینی ورفاہی سوسائٹیاں قائم کیں، اسلامی بنیادوں پر غیر سودی بینک اور تجارتی کمپنیاں قائم کیں، اسلامی مالیاتی بینک، برکہ ترک بینک، فیصل فینانس کارپوریشن، کویت فینانس کارپوریشن جیسے غیر سودی بینک قائم کئے گئے، اس کی سرمایہ کاری میں جرمنی وامریکہ میں مقیم ترکوں نے بڑا حصہ لیا، لیکن اوزال کے بھائی کا ان بینکوں کے قیام میں سب سے بڑا حصہ تھا، رابطہ عالم اسلامی کو بھی انقرہ اور استنبول میں اپنے دفاتر قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی، حتی کہ پارلیمنٹ کے احاطہ میں ایک مسجد بھی اس نے بنادی، دوسری طرف انقرہ میں میڈل ایسٹ ٹکنالوجی یونیورسٹی کے کیمپس میں اسلامی سینٹر سے متعلق ایک عمارت بنوائی، اس کے ساتھ رابطہ نے اس یونیورسٹی میں عربی کی تعلیم کے اخراجات اپنے ذمے لے لئے، نیز پورے ملک میں حفظ قرآن کے ادارے دیہاتوں تک پھیلانے میں مدد دی، ان وجوہات کی بنا پر ترگت اوزال دور کو معتدل دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ جب اپریل ۱۹۹۳ء میں انتقال ہوا تو ان کے جنازے میں عوام کا بڑا ہجوم تھا، استنبول میں جب ان کا جنازہ مرکزی شاہراہوں سے گذرا تو لاکھوں کی تعداد میں سڑک کے دونوں طرف عوام دیکھنے کے لئے کھڑے نعرہ تکبیر بلند کرتے رہے۔

انھی کے دور میں عدنان مندریس کی حیثیت بحال کی گئی اور انھیں شہید کا درجہ دیا گیا۔

ملی مسائل

مدارس اسلامیہ کے بارے میں کچھ سچی باتیں

(دوسری اور آخری قسط)

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب

کشمیر اور ایودھیا کی بجلی مدرسوں پر کیوں گرائی جائے؟

میں اس رخ پر بھی بات کروں گا کہ ہمارے اخبار والے بھائی بھی اور کچھ سیاسی پارٹیاں جو بابری مسجد کی وجہ سے مسلمانوں کو ذرا تیکھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو کر الجھ گیا، اجودھیا یا کشمیر کے مسئلہ کے سبب بے گناہ مدرسوں اور تعلیم کے اداروں کو نشانہ بنانا، ان پر الزام لگانا صحیح نہیں ہے، اب وہ بے چارے اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ سب کے سامنے اپنی بے گناہی بیان کر سکیں، اور بہتوں کو تو معلوم بھی نہیں ہے کہ ان کے خلاف ملک میں کیا پروپگنڈہ ہو رہا ہے، ایک تو یہ ناچ گانا سے بچنے کے لئے نہ ریڈیو سنتے ہیں، نہ T.V. دیکھتے ہیں، نیز مختلف زبانوں کے اخبارات اور میگزین بھی نہیں پڑھتے، ان کو معلوم نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ اور ان کے خلاف کونسی افواہ پھیلائی جا رہی ہے؟ اور ان بیچارے افواہ پھیلانے والوں کو بھی مدرسہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے کہ مدرسہ کیا ہے اور اس میں کیا ہوتا ہے؟ بس سنی سنائی اور من گھڑت بات کہہ بھی دیتے ہیں اور لکھ بھی دیتے ہیں اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ میں خلاصہ کروں آپ کے سامنے کہ ابھی اس وقت ہندوستان میں پانچ سے سات لاکھ مسجدیں ہیں، مسجدوں میں بھی چھوٹے چھوٹے مدرسے لگتے ہیں، محلہ پڑوس کے چھوٹے بچے صبح و شام آکر پڑھتے ہیں اور اپنے گھر چلے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ چھوٹے بڑے مدرسوں کا نظام الگ سے بھی ہے، وہ اپنا خرچ خود سے نکالتے ہیں عام مسلمانوں کے چندے کے سہارے سے، خرچ اور آمدنی کا حساب کتاب بھی رکھتے ہیں جسے آپ مدرسہ میں جا کر دیکھ بھی سکتے ہیں، اور دیکھتے بھی ہیں، سرکاری آڈیٹروں سے حساب کو "آڈیٹ" بھی کراتے ہیں۔

کسی بھی مدرسہ مسجد میں آتنک واد کا کوئی سوال ہی نہیں

ہاں مدرسہ کی اندرون کی بعض چیزیں ایسی ضرور ہیں جن کے لئے ہم کہتے سنتے رہتے ہیں جیسے کھانے پینے کا انتظام اچھا ہو۔ اساتذہ کی تنخواہیں اچھی ہوں، صاف صفائی خوب سے خوب ہو، بچوں کی تعلیم و تربیت پڑھائی لکھائی پر زور دیا جائے۔ لیکن کسی بھی مدرسہ یا مسجد کے اندر کوئی آتنک وادی (کیمپ) مرکز یا کوئی ایسا کام ہو رہا ہو جو ہندوستان یا ہندوستانی عوام کے مفاد کے خلاف ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہے اور نہ ہی میری نگاہ میں ہے، اگر کسی کی نگاہ میں ایسا مدرسہ یا مسجد ہو تو وہ اگر مجھے لے جائے اس مسجد اور مدرسہ میں، ایسا ہوا تو ہم خود اپنے ہاتھوں سے اس مدرسہ اور مسجد کو ڈھا دیں گے، ایک مرتبہ ناگپور کے ایک بڑے آدمی نے اخبار میں چھاپا کہ ناگپور سے 64 میل کی دوری پر ایک مسجد ہے جو آتنک وادیوں کا اڈہ ہے اور وہاں بم بنانے کا کارخانہ ہے یہ خبر پڑھ کر میں ان کے دفتر میں گیا اور ان سے کہا کہ آپ چلئے میرے ساتھ، اول تو 64 میل پر کوئی مسجد اور مدرسہ ہے نہیں اور اگر ہو تو آپ ہم دیکھ لیتے ہیں اور جرم ثابت ہو جانے پر ہم اس کی اینٹ سے اینٹ خود مسلمانوں سے بجوا دیں گے، وہ کہنے لگے کہ مولانا آپ کہہ رہے ہیں تو نہیں ہوگا۔ اور میں آپ کی بات سچ مانتا ہوں رپورٹر سے غلطی ہو گئی بلا تحقیق اس خبر کو چھاپ دیا، میں اس کی تردید چھاپ دوں گا۔ دوسرے دن اخبار میں تردید آگئی کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن جو بدنامی ہو گئی کہ سڑک پر کسی کو گالی دیجئے اور گلی میں معافی مانگئے اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ خبریں بلا تحقیق چھاپی نہ جائیں۔

ہیرے موتی کو پتھر ثابت نہ کیا جائے

اس موقع پر یہ کہوں گا کہ قرآن مجید نے (ایسے سمجھدار لوگ جو فسادیوں کو زمین میں اودھم مچانے سے روکتے ہیں ۱۱-۱۱۶) کہا ہے، یہ لوگ جب زمین میں فساد ہونے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف جتھا بندی اور الزام لگایا جائے تو یہ گھر سے باہر نکل کر فسادیوں کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتے، غلط کاروں کو غلط کام کرنے سے کیوں نہیں روکتے، میں تو کہوں گا سکھوں سے، جینیوں سے، ہندو بھائیوں سے، آر ایس ایس والوں سے کہ آپ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ہیں ہم سے ملیں اور بتائیں کہ کس مدرسہ اور مسجد کے اندر آتنک وادی رہتے ہیں، ہمارے ساتھ چل کر وہاں گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھ کر دیکھیں کیا ہو رہا ہے، اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ خود ہمارے عالموں کی بھی غلطی ہے کہ وہ مدرسہ کے پاس پڑوس میں رہنے والے ہندو بھائیوں کو مدرسہ میں بلاتے نہیں، پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں کوئی وکیل صاحب ہیں، کوئی کارپوریشن کے ممبر ہیں، کسی اخبار کے نامہ نگار یا ذمہ دار ہیں ان سے رابطہ رکھیں ان کو اپنے یہاں بلائیں، ان کے یہاں جائیں ایک دوسرے کو دیکھیں دکھائیں مگر وہ دروازہ کھول کر باہر ہی نہیں نکلتے یہ ہمارے عالموں کی غلطی ضرور ہے، لیکن اب ہم انشاء اللہ اس کا تدارک کر رہے ہیں کہ ہندوؤں میں جو سمجھدار اور ذمہ دار لوگ ہیں انہیں کسی موقع پر مدرسہ میں بلایا جائے، وہ اساتذہ سے بھی ملیں، پڑھنے والے بچوں سے بھی ملاقات کریں، جب ملیں گے تو انہیں مدرسہ کے یہ لوگ ہیرے موتی دکھائی دیں گے۔

تاہم ایک بات میں کھلے دل سے کہتا ہوں اپنے ہندو بھائیوں سے بھی کہ وہ اپنے علاقہ میں جہاں وہ رہتے ہیں وہ مدرسہ والوں سے میل جول رکھیں، اور مدرسہ کے عالموں اور ذمہ داروں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اپنے محلہ علاقہ پاس پڑوس میں رہنے والے ہندو بھائیوں سے تعلق رکھیں، یہ بات میں نے پبلک اور عوامی جلسوں میں بھی کہی اور اب بھی کہتا ہوں کہ آنا جانا رکھیں اور موقع محل کے اعتبار سے ان کو اپنے یہاں بلاتے رہیں تاکہ معلوم تو ہو کہ کیا ہو رہا ہے؟

میں اہل مدرسہ اور ان کے آس پاس رہنے والے ہندو بھائیوں کے نام اپیل کرتا ہوں کہ عربی مدرسوں کا وجود کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، یہی حال مساجد کا بھی ہے کہ پانچ وقت اذان اور نماز ہوتی ہے، اذان سن کر اہل ایمان مسجد میں نماز کو آتے ہیں، جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنے گھروں اور کاروبار کو چلے جاتے ہیں۔

نصیحت اور بندگی

پھر مسلمانوں میں ہر جگہ دس فیصد بھی نمازی نہیں ہیں بمبئی میں الحمدللہ نمازیوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، حکومت کے لئے کیا مشکل ہے کہ کوئی سی، آئی، ڈی، یا کوئی اور ذمہ دار چپکے سے مسجد میں آجائے اور دیکھ لے کہ مسجد میں کیا ہو رہا ہے، کہاں کیا ہے؟ اور کہاں آتنک وادی چھپے ہوئے ہیں یا کہاں آتنک وادیوں کا کیمپ چل رہا ہے؟ مسجد میں آپ جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لئے ایک چھڑی کے سوا اور کچھ نہیں پائیں گے، منبر پر چڑھ کر مسجد کا امام جمعہ کے دن نصیحت کرتا ہے، باقی لوٹے ہیں بدھنے ہیں، پانی وضو اور طہارت کا انتظام ہے، مصلی اور چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں مسجد میں آپ جائیں گے، پاک صاف ہو کر تو آپ کے دل پر اچھا اثر ہوگا۔

بے سر و پیر کا بہتان

مدارس عربیہ کے بارے میں یک طرفہ باتیں کہی جاتی ہیں جو تقریباً سب کی سب بے سر اور پیر کی ہوتی ہیں، بہتان والی باتیں ہوتی ہیں جسے سنسکرت میں لانچھن کہتے ہیں، مسلمانوں کی ایسی اکثریت جو اس برصغیر میں انڈونیشیا کے بعد سب سے بڑی تعداد میں ہے جو ہندوستان میں بستے ہیں اور ہندوستان ہی کو اپنا وطن مانتے ہیں۔ ان کے بارے میں بے بھروسہ ہونا اور ان پر اعتماد نہ کرنا، سنی سنائی خبریں یا پھر جان بوجھ کر افواہیں پھیلا کر ان کے حوصلہ کو گھٹانے سے ملک کو نقصان پہنچے گا، میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ ملک کے بعض بڑے مدارس میں میرا آنا جانا ہوتا ہے، بعض مدرسے تو آپ کو ایسے ملیں گے جس کے احاطہ میں گورنمنٹ آف انڈیا کے پوسٹ آفس کھلے ہوئے ہیں، اور اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی برانچ بھی کھلی ہوئی ہے۔ ہزاروں لڑکے پڑھتے ہیں ان کے بھی اکاؤنٹ رہتے ہیں، اساتذہ اور ملازمین بھی ہیں، راہ چلتے لوگ بھی وہاں آکر پیسے جمع کرتے ہیں چیک بھناتے ہیں، ڈرافٹ وغیرہ بنواتے ہیں، اور پوسٹ آفس سے ڈاک ٹکٹ وغیرہ لیتے ہیں جب ان مدرسوں کے دروازے ہر ایک کے لئے دن بھر کھلے ہوں وہاں آتنک وادیوں کے اڈے اور مرکز کیسے ہو سکتے ہیں؟

بڑے بڑے لوگ ملنے کیلئے آرہے ہیں

میں نے حضرت مولانا علی میاں صاحب کے زمانے میں دیکھا ہے کہ ندوہ میں اندرا جی ملنے کے لئے چلی آرہی ہیں، نرائن دت تیواری صاحب ملنے کے لئے آرہے ہیں، گورنر آرہے ہیں، منسٹر اور سرکاری افسران آرہے ہیں، بہوگنا جی بھی ملنے چلے آرہے ہیں، ابھی ابھی آخری دنوں میں ہم نے دیکھا کہ ممتا بنرجی آرہی ہیں، ملائم سنگھ یادو آرہے ہیں اور ایسے کتنے ہی چھوٹے بڑے مدرسے ہیں جہاں بڑے بڑے لوگ اور سرکاری افسران و ذمہ داران آتے جاتے رہتے ہیں، بیٹھتے ہیں علماء سے ملتے ہیں، دیوبند کا مدرسہ وہ بھی بہت بڑا اور وسیع ہے اور وہاں بھی دن بھر لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، مظاہر العلوم سہارنپور ہے اور ادھر ساؤتھ میں بھی دارالعلوم حیدرآباد، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور اور راجستھان میں جامعہ ہدایت، جے پور اور پورے ملک میں ایک سے ایک بڑے بڑے مدرسے ہیں، مسلمانوں کا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس پر ہمارے ہندو بھائیوں کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ باہر ممالک کے لڑکے ہندوستان میں علم دین پڑھنے کے لئے آتے ہیں اور ہندوستانی علماء اور ہندوستان کے مدرسوں سے سند اور سرٹیفکٹ لیتے ہیں اور ہم اپنے ہی یہاں کی اتنی بڑی مسلم آبادی کو جس کی دنیا میں پچاسوں حکومتیں ہیں اور دنیا میں پٹرول اور سونا اس امت کے پیروں کے نیچے اللہ نے رکھ دیا ہے، میں اس پر بڑائی اور فخر نہیں کرتا، میں تو صرف اللہ کی بڑائی کرتے ہوئے بولتا ہوں کہ مسلم امت اور قوم سے بھارت کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور ملک کا نام ہو رہا ہے لہذا ان کے بارے میں روزانہ اخبار میں آتنک واد و دہشت گرد اور ادھر ادھر کی خبریں پھیلانا مناسب نہیں ہے۔

دہشت گردی پوری دنیا میں پھیل چکی ہے

مانتا ہوں میں اس بات کو کہ اس وقت پوری دنیا میں آتنک واد پھیلا ہوا ہے اور کوئی ملک بھی اس سے محفوظ نہیں ہے، اب یہ کہ اگر کچھ لوگوں نے اسلام کا

نام لے لیا تو اس میں مدرسہ والوں کا کوئی قصور نہیں ہے، ایک بات میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ کیا ہندوستان کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں، کالجوں، اور اسکولوں وغیرہ میں جواری، شرابی لڑکے نہیں ہوتے؟ چوری کرنے والے، قتل کرنے والے، لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے والے، پروفیسر اور ٹیچروں کی پٹائی کردینے والے نہیں ہوتے؟ بہت مشکل ہوتا ہے کہ کوئی کالج کا پروفیسر یا یونیورسٹی کا ذمہ دار ایسے لڑکوں کو اپنے کالج اور یونیورسٹی سے خارج کردے، لیکن اگر مدرسہ میں معلوم ہو کہ یہ لڑکا شرارتی ہے یا اس کی عادتیں ٹھیک نہیں ہیں تو مدرسہ کے ذمہ دار اور علماء ایسے لڑکے کو مدرسے سے خارج کر دیتے ہیں، مدرسے میں رہنے نہیں دیتے، عربی مدرسوں کا یہ جو طریقہ ہے، اسے یونیورسٹیوں اور کالج والوں کو بھی اپنانا چاہئے۔

مدرسوں کو بند کرنے کی بات کرتے ہیں

بعض لوگ مدرسوں کو بند کرادینے کی بھی بات کرتے ہیں، یہ بچکانہ پن ہے یہ کوئی سوچ اور فکر نہیں ہے، جو مدرسہ والے لاکھوں یتیم بچوں اور غریب و بے سہارا لڑکوں کو کھانا کھلاتے ہوں، ان کو پڑھنا لکھنا سکھاتے ہوں، ان کے رہنے سہنے، دوا علاج کا انتظام کرتے ہوں کپڑا دیتے ہوں اور ان بچوں کو پڑھا لکھا بھلا اور شریف انسان بنانے کی کوشش کرتے ہوں، ان مدرسوں کو اگر بند کردیں تو ان میں پڑھنے والے بچوں کو پڑھانا لکھانا اور اچھا انسان بنانا تو دور کی بات ہے حکومت ان کو دو وقت کھانا کھلا سکے گی؟ آزادی کو پچاس سال گذر گئے، کیا حکومت سارے ہندوستانیوں کو پڑھنا لکھنا سکھا سکی ہے؟ سب کو روزگار مہیا کرا سکی ہے؟ جب کہ کروڑوں روپئے پڑھنے پڑھانے اور شاکشرتا مشن پر خرچ کرتے ہیں اور بہت ساری سرکاری اسکیمیں بنتی ہیں، پھر بھی کیا حکومت سب کے لئے یا اکثر لوگوں کے لئے تعلیم کا انتظام کر سکی ہے؟

ان کی عزت ہماری عزت

ایسی صورت حال میں مدرسہ کے علماء کی بے عزتی کرنا ایک طرح کا گناہ ہے بلکہ ان کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ بیشمار یتیم، غریب، بے سہارا بچوں کو مکمل طور پر سہارا دے کر سنبھال رکھا ہے، اور پھر ایک زمانے میں مدرسہ کے لوگ ہمارے پارٹی لیڈر رہتے تھے، ملک کی آزادی کی جنگ کے اندر مدرسہ کے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، ان کی عزت ہماری عزت ہے، ان کا حوصلہ ہمارا حوصلہ ہے یہ مضمون بہت لمبا ہوتا جا رہا ہے، اس وقت عربی مدرسوں کے بارے میں تیکھی زبان کا جو استعمال ہو رہا ہے، کچھ نام کے جہادی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس میں انھوں نے اسلام کو گھسیٹا، غلط فہمی کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اسلام کے ساتھ آتنک واد اور دہشت گردی کو جوڑ دیا اور عربی مدارس کو اس کا اڈہ اور مرکز بتانے لگے، اب یہ کام حکومت کا ہے کہ وہ آتنک واد سے نپٹے اور عوام بھی قانونی اعتبار سے حکومت کا تعاون کریں لیکن غلطی کسی کی ہو اور سزا کسی اور کو دی جائے، عربی مدرسوں کے بارے میں جو لوگ اپنی لاعلمی کی بنا پر تیکھی رائے رکھتے ہیں وہ نیچے لکھے چند حقائق اور دلائل کی بنا پر اپنی اصلاح کر لیں۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد مدرسے کے طالب علم تھے

ہندوستان کے سب سے پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد جی عربی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے، حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ایک لڑکا چوڑی دار پائجامہ، کلی دار کرتہ، دوپلی ٹوپی پہنکر اور بغدادی قاعدہ لے کر مسجد کے مکتب میں پڑھنے جا رہا ہے۔

آپ پوچھیں گے کہ یہ کس کی تصویر ہے؟"

مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحبؒ آگے اپنے مضمون میں فرماتے ہیں کہ "یہ تھے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجیندر پرشاد صاحب" اب بتائیے کہ اتنے بڑے انسان ایک عربی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے اور صرف یہ ایک ہی نہیں بلکہ ہزاروں ایسے مہان آدمی آپ کو ملیں گے جو مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں، پارٹیشن جب ہوا وہ میری جوانی کا زمانہ تھا ہمارے وسط ہند تا گپور وغیرہ میں پنجاب اور سندھ سے ایسے لوگ آئے جو بھی اردو اور فارسی پڑھے ہوئے تھے، لالہ ولایتی رام پنجاب سے آکر ہمارے قریبی پڑوسی ہوئے وہ اردو میں ہی کھاتے لکھتے تھے، میں نے دیکھا تو ان سے کہا لالہ جی پھنس جائیں گے آپ، یہ تو ہندوستان ہے یہاں لوگ انگریزی، ہندی جانتے ہیں آپ ہندی میں ہی کھاتے لکھئے، کہنے لگے ہم تو اردو جانتے ہیں، اسی میں لکھتے ہیں ہندی تو جانتے نہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ اردو کہاں پڑھی؟ انھوں نے بتایا کہ مسجد کے مکتب میں مولوی فضل دین کے پاس پڑھی، سندھ و پنجاب سے آئے ہوئے بہت سے لوگ رسم الخط کے اعتبار سے اردو، فارسی کا استعمال کرتے تھے، ان سے پوچھنے پر یہ جواب ہوتا تھا کہ ہم نے فارسی اور اردو مسجد کے مکتب میں فلاں مولوی صاحب سے پڑھی یا فلاں مدرسہ میں پڑھا ہے۔

ہندو مسلم تعلقات

یہ تھے ہمارے ہندو اور مسلمان کے تعلقات لیکن اس وقت ان دونوں کو معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے؟ پاکستان وغیرہ بنوا کر انگریزوں نے ہم ہندوستانیوں کو ایسا انجکشن دیا کہ اب تک ہندوؤں اور مسلمانوں سے اس کا اثر ختم نہیں ہوا ہے، میں دونوں سے ہی اپیل کروں گا کہ ہمیں عقل کے ناخن لینے چاہئیں، ہندوستان کی ملی جلی اصل جو تہذیب ہے کہ بھی مذہب کے لوگ یہاں ہیں اور بھی کے

ساتھ ہمارا بھائی چارہ رہا ہے اور اس ملک کے لئے سب کی خدمات بھی رہی ہیں اس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئے، آندھرا پردیش کے گورنر اور پھر نائب صدر جمہوریہ ہند ہوئے کرشنا کانت جی یہ میرے اچھے دوست تھے، ان کا ابھی ابھی انتقال ہوا۔ یہ مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے، اردو جانتے تھے اور اردو میں شاعری بھی کرتے تھے، خود اندر کمار گجرال صاحب سابق وزیر اعظم ہند، یہ بھی اردو کے اچھے اسکالر ہیں ان سے کبھی پوچھا تو نہیں میں نے کہ آپ نے اردو کہاں پڑھی؟ لیکن اگر پوچھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے بھی کسی نہ کسی مولوی صاحب سے اردو زبان پڑھی ہوگی۔

سکھوں نے مسجدوں اور مدرسوں میں تعلیم حاصل کی

پنجاب کے لوگ جو ہیں ان میں سکھوں کی بڑی تعداد ہے کہ مسلم عالموں سے مسجد کے مکتب میں جاکر اردو، فارسی پڑھنا لکھنا سیکھتے تھے، اس وقت مسلمان عالموں کی عزت بھی بہت تھی، بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا اور ابھی بھی کہیں کہیں دکھائی دیتا ہے کہ شام کی نماز یعنی مغرب کے وقت مسجد کے دروازے پر ہندو عورتیں اپنے بچوں کو لے کر کھڑی رہتی ہیں کہ نماز پڑھ کر مسلم عالم نکلیں گے اور دوسرے نمازی بھی اور یہ اس کے پیارے بچے پر دم کردیں گے پھونک ماردیں گے تو بچہ ٹھیک ہو جائے گا، اس سے انھیں فائدہ ہوا ہوگا تب ہی تو وہ ایسا کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں، یہ ہندو مسلمانوں کا پرانا تال میل ہے لیکن یہ اب کیوں ٹوٹتا جا رہا ہے؟ اور ہم کیوں اپنے بزرگوں کی عزت کی بے عزتی کر رہے ہیں، ہم نے اچھے اچھوں کو دیکھا کہ مولانا علی میاںؒ کے پاس آتے تھے دعا کرانے کے لئے اور بھی دوسرے بڑے بڑے مدرسوں میں لوگ دعا کرانے مسلم عالموں کے پاس آتے ہیں، ابھی ابھی ہمارے ایک اچھے بزرگ اور عالم حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی، ان کی جب وفات ہوئی ہے تو جنازہ میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہندو تھے اور وہ رو رہے تھے، یہ اپنی حیات میں کسی کے لئے دعا کردیتے تھے، کسی کو تعویذ دیتے تھے، کسی کو اچھا مشورہ دیدیا، کسی کو اچھی بات بتادی، ان سب کے باوجود کیا مدرسہ والے بس ایسے ہی ہیں کہ زبردستی ان کو دہشت گرد اور آتنک وادی بنا دیا جائے؟

مدرسوں کی عربی زبان اقوام متحدہ کی زبانوں میں شامل ہے

عربی زبان جو عالمی طور پر رابطہ کی زبان ہے اور یونائیٹڈ نیشن کی چھ زبانوں میں سے ایک زبان ہے، یہ عربی زبان مدرسہ والے ہی سکھاتے ہیں اور مدرسہ کے پڑھے ہوئے لڑکے باہر ملکوں میں جاکر نوکری حاصل کرتے ہیں اور اپنے ملک میں فارین کرنسی بھیجتے ہیں ان باتوں کا مفصل تذکرہ ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں، خود حکومت ہند کے پاس بہت سے اعلیٰ درجہ کے ملازم ایسے ہیں جو مدرسہ کے پڑھے ہوئے ہیں، اب میں مضمون ختم کرتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ باجپائی جی، سونیا جی، دیو گوڑا جی، نرائن دت تیواری ایسے کئی بڑے بڑے لیڈر اکثر مولانا علی میاں اور مدرسہ کے دوسرے علماء اور ذمہ داروں سے ملنے کے لئے آتے جاتے رہے، پھر سرکاری افسران، سیکورٹی، سی آئی، ڈی اور نہ جانے کیسے کیسے سرکاری ملازمین آئے اگر یہاں آتنک واد ہوتا تو کیا ان پولیس والوں اور سی آئی، ڈی والوں کو دکھتا نہیں ہوگا، پھر ان کے علاوہ بھی مدرسوں میں الکٹرک میٹر، پانی کا میٹر لگا ہوا ہے ان کی ریڈنگ لینے، انھیں فٹ کرنے کے لئے ہندو بھائی آتے ہیں کیا انھیں کہیں کسی مدرسہ میں کوئی آتنک واد دکھا؟ ہزاروں ہزار خط اور لیٹر آتے ہیں جنھیں سرکاری پوسٹ مین لے کر آتا ہے اور بہت سارے کاموں کے لئے رات دن مسلم اور غیر مسلم سرکاری، غیر سرکاری لوگوں کا مدرسہ میں مختلف کاموں کے لئے آنا جانا ہوتا رہتا ہے، ٹیلر، درزی، دھوبی، حجام، صاف صفائی کرنے والے مہتر، راج مستری کار پینٹر، رنگ روغن کرنے والے کیا یہ سب مسلمان ہوتے ہیں؟ ان سب کا بھی مدرسہ میں آنا جانا ہوتا رہتا ہے! کیا ان میں سے کسی کو بھی کسی مدرسہ میں آتنک واد یا دہشت گردی کی کوئی چیز دکھی؟

مدرسوں کی لائبریریوں میں پروفیسروں کی آمد

بڑے بڑے مدرسوں کے اندر جو بھاری لائبریریاں ہیں اسے دیکھنے کے لئے پڑھنے اور لکھنے کے کاموں میں ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے یونیورسٹیوں کے پروفیسر جن میں اکثر ہندو ہوتے ہیں اور کالجوں کے لکچرار آتے ہیں، کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں مدرسہ کی لائبریری میں عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، ہندی، اور دوسری بہت سی زبانوں کی نایاب اور قیمتی کتابیں ہوتی ہیں، ان کا مطالعہ کرکے پی ایچ ڈی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرتے ہیں، کہیں بھی ایسا مدرسہ نہیں ہے جہاں ہندو بھائیوں کا آنا جانا نہ ہو، مدرسے کوئی چھپے ہوئے تھوڑے ہی ہیں، میں بڑے ادب سے اپنے بعض ملکی بھائیوں سے کہتا ہوں کہ وہ مدرسہ کے بارے میں جو بے اعتمادی کی فضا بنا رہے ہیں وہ کچھ بنے گی نہیں، اور مدرسوں کو آپ بند بھی نہیں کر سکیں گے، نہ قانون سے اور نہ دھونس سے، اگر آپ مدرسوں کو بند کرنے لگیں گے تو عربی، اردو اور بہت سی زبانوں سے ہمارے ملک کا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ ◎◎

ہزارہ بیت لحم

عیسائیوں کی بڑھتی تعداد اور گھنی آبادی آخر کس لئے؟

تحریر: عبدالعزیز مصطفیٰ کامل ____ ترجمانی: مولانا سید سلمان الحسینی ندوی

ہزارہ سوم کی آمد ایک اہم تاریخی موڑ ہے، دنیا کی اکثر آبادی کو اس سے دلچسپی ہے، لیکن عیسائیوں کی دلچسپی کا یہ خاص موضوع ہے، تعداد بھی دنیا میں ان کی پہلے سے زیادہ بتائی جاتی ہے، ڈیڑھ ارب کے قریب۔

ہزارہ سوم کا عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے گہرا ربط ہے، ان کی بعثت پر دو ہزار سال گذر چکے ہیں، اب عیسائی اس کے امیدوار ہیں کہ ان کی سرپرستی وقیادت میں ہزارہ سوم گذاریں گے، لہٰذا ہزارہ سوم صرف پیدائش کی یاد منانے کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک نئے دور کے نئے مرحلہ میں داخلہ کا دروازہ ہے، جس کے بارے میں بہت سے عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ پوری دنیا دین مسیح کی تابع ہوجائے گی۔

لیکن مسیح روم، واشنگٹن یا پیرس نہیں آئیں گے، وہ اس سرزمین کی طرف واپس آئیں گے جس کی گود میں وہ پیدا ہوئے، جس کی بلندیوں پر ان کی تربیت ہوئی، جس کے کاندھوں پر وہ چلے پھرے، وہ سرزمین "قدس" ہے۔

شہر "قدس" کی عیسائیوں کے نزدیک کیا حیثیت ہے؟ "مہد" (گود) "عہد" (پیمان) "لحد" (قبر) کی سرزمین ان کے نزدیک کیا معنی رکھتی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو یہودیوں کو ہمیشہ دشمن مسیح سمجھتے رہے، وہ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، جن کی دعوت ومشن کی تکمیل کے لئے حضرت عیسیٰ کی آمد ہوئی تھی، اور اس بنیاد پر وہ سرزمین مقدس پر اپنا اصل حق سمجھتے ہیں، یہودی عیسائیوں کو تسلیم نہیں کرتے، اور نہ عیسیٰ کو۔

عیسائیوں کا سرزمین مقدس سے اعتقادی اور جذباتی تعلق ہے، وہ اسے حضرت مسیح کی میراث سمجھتے ہیں، وہ اسے "صہیون" کہنا پسند نہیں کرتے، بلکہ اسے عہد جدید (NEW TESTAMENT) کا شہر مانتے ہیں اور اسے ایک مقدس وطن مسیح قرار دیتے ہیں، انھوں نے تاریخی طور پر بیس صدیوں تک اپنے اس رابطہ کا ثبوت دیا، ان میں طرح طرح کے اختلافات پیدا ہوئے، یہاں تک کہ ذات باری تعالیٰ اور ذات مسیح کے بارے میں بیسیوں اختلافات ان کے درمیان رونما ہوئے، لیکن "بیت المقدس" اور اس کے اردگرد کی سرزمین خاص طور پر "بیت لحم" کے تقدس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا، جہاں عیسیٰ مسیح پیدا ہوئے اور "ناصرہ" کا تقدس بھی متفق علیہ رہا، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پروان چڑھے اور سرزمین "قدس" بھی ویسی ہی مقدس ہے جہاں ان کے عقیدہ کے مطابق ان کی قبر ہوگی۔

گمرہی کی تاریخ:

ہونا یہ چاہئے تھا کہ حضرت عیسیٰ کو ماننے والے اس آخری نبی کو تسلیم کرلیتے جن کی خوشخبری خود عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے دی تھی، جس طرح انھوں نے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں، لیکن آخری نبی اور ان کی امت کے مقابلہ میں عناد اور ضد کے رویہ اور یہودیوں کی سازشوں کے شکار ہونے کا یہ بدترین نتیجہ نکلا کہ انھوں نے آخری امت سے معرکہ آرائی مول لی، جس کا سلسلہ غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک سے شروع ہوا، اور پھر خلفائے راشدین کے عہد میں جنگ یرموک تک پہنچا، اور پھر آگے بڑھتے بڑھتے وہ صلیبی جنگوں کی شکل میں سامنے آیا، اور اس کی آخری فصل فرانس کے شہر دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد یوں سامنے آئی کہ صلاح الدین ایوبی کی قبر پر "جنرل الکنی" نے فخر سے کہا:

"صلاح الدین! ہم واپس آچکے ہیں"

صلیبی جنگوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سرزمین قدس عیسائیوں کے ذہن میں ہمیشہ مرکزی حیثیت کی مالک رہی، صلیب کے جھنڈے تلے صدیوں عیسائیوں نے مسلمانوں سے جنگیں کیں، تاریخ عالم کی یہ سخت ترین جنگیں تھیں، جن کے ذریعہ جذباتی طور پر پوپوں کی قیادت میں یورپ کو متحد کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

یہ جنگیں پانچویں صدی ہجری کے اواخر اور گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں شروع ہوئیں اور پندرہویں صدی عیسوی تک چلتی رہیں، جس کے دوران مسیحی مغرب نے اسلامی شرق سے جنگ کے لئے پندرہ مرتبہ حملے کئے، اور ان میں پورا نصرانی یورپ شریک ہوا، اس دوران صلیبیوں کو فتح حاصل ہوئی، بیت المقدس پر وہ قابض ہوگئے، مسجد اقصیٰ کے میناروں پر ۸۰ سال تک صلیبیں آویزاں رہیں، یہ جنگیں اس وقت ٹھنڈی پڑیں جب یورپ کو یقین ہوگیا کہ مسلمان آبادیوں اور ملکوں سے گھری ہوئی اس سرزمین پر قابض نہیں رہ سکتے۔

ایک مدت تک نصرانی وثنیت یورپ کے اپنے مسائل میں الجھی رہی یہاں تک کہ سولہویں صدی کا دور آیا۔

نصرانیت کی تاریخ میں انقلاب:

یہ انقلاب سولہویں صدی میں پروٹسٹنٹ تحریک کے عنوان سے اصلاح احوال کے لئے

آیا، اور اس انقلاب نے عیسائی مذہب کے خط وخال بھی تبدیل کرڈالے، جو تبدیلی اس مرتبہ آئی وہ یہودیوں کے مفاد میں گئی۔

اس پروٹسٹنٹ تحریک نے "کتاب مقدس" (تورات) کی تفسیر پر کلیسا کی اجارہ داری کی زبردست مخالفت کی، جس کا فائدہ یہودیوں کو یہ ہوا کہ "تورات" کی ان کی حرفی تشریحات غالب آگئیں، پروٹسٹنٹ تحریک کے لوگوں نے انجیل کے ساتھ تورات کو بنیادی سرچشمہ قرار دیا، عیسائی مذہب کی پندرہ صدیوں میں یہ نیا انقلاب تھا۔

سترہویں صدی عیسوی کی آمد کے ساتھ یہودیوں کے بارے میں ایک نیا یورپین نقطۂ نظر پیدا ہوا۔ پروٹسٹنٹ نے یہودیوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے اور "سرزمین مقدس" کی طرف ان کی بازآمد کا مطالبہ شروع کیا۔ ان کا یہ بھی نقطۂ نظر تھا کہ سرزمین مقدس میں یہودیوں کی آمد سے عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی آمد بھی جلد ہوگی۔

کلیسا کی تاویلات سے ہٹ کر تورات وانجیل کی ظاہری اور حرفی تشریحات نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ یہودی عیسیٰ مسیح کی دوبارہ آمد پر دین مسیح میں داخل ہوجائیں گے، اور جو یہودی مذہب مسیح قبول نہیں کریں گے وہ دشمنوں کے ضمن میں ماردیئے جائیں گے، رہے مسیح علیہ السلام کے پیرو تو انہیں مسیح کے ساتھ سرزمین قدس میں قیامت سے پہلے ایک ہزار سال گذارنے کا موقع ملے گا۔

انجیل کے باب (یوحنا کا خواب) میں کہا گیا ہے:

"میں جلدی آؤں گا جو کچھ تمہارے پاس ہے، اسے مضبوطی سے تھامے رہو تا کہ کوئی بھی تمہارا تاج نہ لے سکے، جو غالب آئے گا میں اسے اللہ کے "ہیکل" میں ستون بنادوں گا، وہ باہر نہیں نکل پائے گا، میں اس پر اپنے خدا اور اپنے خدا کے شہر کا نام لکھ دوں گا، "نیا یروشلم" (۱)

اس میں یہ بھی کہا گیا ہے:

"وہ مبارک ومقدس ہے جس کو پہلی قیامت میں حصہ ملے گا، ان لوگوں پر دوسری موت کا کوئی غلبہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ اور مسیح کے "کاہن" ہوں گے، اور اس کے ساتھ وہ ایک ہزار سال غالب رہیں گے جیسے ہی ایک ہزار سال پورے ہوں گے، شیطان اپنی قید سے نکل پڑے گا۔" (۲)

مسیح کی آمد پر بہت سے یہودیوں کے ایمان لانے کا تذکرہ انجیل میں یوں ہے:

"اللہ زندہ جاوید نے عظیم آواز سے چار فرشتوں کو مخاطب کیا جن کو زمین اور سمندر کو نقصان نہ پہونچانے کی طاقت دی گئی ہے، دیکھو! زمین، سمندر اور درختوں کو نقصان نہ پہنچانا، جب تک کہ اللہ کے بندوں کی پیشانیوں پر مہریں نہ لگ جائیں، اور میں نے سنا کہ جن پر مہریں لگائی جائیں، ان کی تعداد ایک سو چوالیس ہزار، ہر شاخ بنی اسرائیل سے ہوگی۔ (۳)

لہٰذا اس عقیدہ کی بنیاد پر واپسی نئے یروشلم کی طرف ہوگی، اور وہ نئے ہزارہ کے سرے پر ہوگی، اور ایسے دور میں ہوگی جبکہ اس سرزمین میں یہودیوں کا وجود ہوگا، لہٰذا یہودیوں کی واپسی عیسیٰ مسیح کی واپسی کے لئے ضروری قرار پائی!!

واپسی یا ناجائز قبضہ

یورپ کے عیسائیوں نے موجودہ دور میں یہودیوں کے ساتھ تعاون وتائید کا جو موقف اختیار کیا ہے، اس کی جڑیں پروٹسٹنٹ تحریک کے بعد کی مذہبی تشکیل کے اندر پیوست ہیں، بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ موجودہ صہیونیت، پروٹسٹنٹ عیسائیت کی گود میں ہرزل سے صدیوں پہلے پیدا ہوئی اور پروان چڑھی ہے۔

امریکا کا ایک نمایاں یہودی سربراہ "کیَن" اپنی کتاب "اسرائیلی دفاعی لائن" میں کہتا ہے:

"اسرائیل ایک سیاسی یہودی تحریک بننے سے پہلے ایک مسیحی نغمہ تھا"۔

پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے صہیونی تحریک کو وجود بخشا اور یہودیوں کو اس کے اردگرد جمع ہونے کی دعوت دی، ہرزل کو جب اس میں تردد تھا کہ فلسطین کو یہودی حکومت کا مرکز قرار دیا جائے تو پروٹسٹنٹ عیسائی مشنری "ولیم بلاکسٹن" نے اس کو تورات کا ایک نسخہ ارسال کیا جس میں ان مقامات کی نشاندہی کی جن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہودی آخری دور میں "سرزمین مقدس" میں دوبارہ جمع ہوں گے جس پر ہرزل کو اطمینان ہوگیا۔ (۴)

جب ۱۸۹۷ء میں سوئیزرلینڈ کے شہر بازل میں پہلی صہیونی کانفرنس منعقد ہوئی تو پروٹسٹنٹ پادری "ولیم ہشلر" نمایاں طور پر اس میں شریک تھا، وہ ہال میں ہرزل کے ساتھ داخل ہوا اور اس نے اس کے حق میں یوں نعرہ لگایا "بادشاہ کی جے، بادشاہ کی جے"۔

پھر جب اس کی تقریر کا موقعہ آیا تو اس نے موجود صہیونیوں کو یوں مخاطب کیا:

"اے فرزندان اسرائیل ہوش میں آؤ، تمہارا رب تمہیں سرزمین مقدس میں تمہارے وطن کی طرف تم کو بلا رہا ہے۔"

اس کانفرنس کے بعد کے حالات معلوم ہیں، پروٹسٹنٹ برطانیہ نے پہلی جنگ عظیم کے بعد فلسطین کو اپنی تحویل میں لے لیا، پھر اس کے پروٹسٹنٹ وزیر خارجہ "بالفور" نے فلسطین میں یہودیوں کے وطن کے قیام کا وعدہ کیا، برطانیہ نے فلسطین کو یہودیوں کے لئے ہموار کرنے کے بعد اس سے ظاہراً دستبرداری اختیار کرلی اور اندر سے یہودیوں کی مدد کرتا رہا تا آنکہ حکومت اسرائیل کا قیام عمل میں آگیا۔

آخر سرزمین مقدس میں یہودیوں کو بسانے کا یہ انگریزی جوش وخروش کیوں؟ اس کا جواب ایک یہودی لیڈر "حاییم وایزمن" اپنی ڈائری میں یوں دیتا ہے:

"اگر کوئی پوچھے کہ انگریزوں میں یہودیوں

کی مدد اور تعاون کا جوش کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انگریز سب سے زیادہ تورات سے متاثر ہیں، اور انگریزوں کی دینداری نے ہماری آرزوؤں کی تکمیل میں مدد بہم پہنچائی، انجلیکان کلیسا نے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مدد دی۔(۵)

امریکہ اور پروٹسٹنٹ تحریک:

امریکا میں پروٹسٹنٹ تحریک کے اثرات ان اینگلو پیکس لوگوں کے ذریعہ منتقل ہوئے، جو ترک وطن کر کے امریکا میں مقیم ہوگئے، امریکا کی طاقت میں روز افزوں اضافہ کے ساتھ پروٹسٹنٹ تحریک بھی طاقتور ہوتی چلی گئی، اور آخری دہائیوں میں وہ ایک مذہبی عقیدہ سے آگے بڑھ کر "بنیاد پرستی" کے جوش میں تبدیل ہوگئی، ۱۹۷۰ء کی دہائی میں امریکا میں ایک سخت پرتشدد رجحان ان پروٹسٹنٹ افراد میں پیدا ہوا جو تورات کی ظاہری اور حرفی تشریح کے پابند ہیں، اس رجحان کو "صہیونی مسیحی تحریک" کے نام سے یاد کیا جانے لگا، کبھی ان کو "دائیں بازو اور انگلیکان" بھی کہا گیا، ان کا باوجود عیسائی ہونے کے صہیونیت کی طرف انتساب، ان لوگوں کے لئے تعجب خیز نہیں ہے، جو تورات کو مانتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ تورات صہیون پہاڑ کے تقدس میں بات کہتی ہے، اسی لئے وہ یہودی حکومت کی مطلق تائید کے قائل ہیں تاکہ اسرائیلی آرزوئیں یا تورات کی پیشین گوئیاں شرق اوسط میں پوری ہوسکیں۔

آخری تین دہائیوں میں عیسائی یوروپ میں یہودیوں کے سلسلہ میں ایک بڑی تاریخ ساز تبدیلی واقع ہوئی اور جب سے یہودیوں نے ۱۹۶۷ء میں قدس شہر پر قبضہ کیا، اس وقت سے ان کے ذہنوں میں مزید یہ عقیدہ راسخ ہوگیا کہ تورات کی پیشین گوئیاں برحق ہیں، کیوں کہ ان میں یہودیوں کے شہر قدس میں واپس آنے کا ذکر ہے، اور انجیل پر بھی یقین میں اضافہ ہوا، کیوں کہ اس میں بھی یہودیوں کے شہر قدس کی بازیافت کا تذکرہ ہے۔

ہال لینڈسی نے اپنی کتاب "زمین کا ستارہ وہ عظیم گذرنے والا" میں لکھا ہے "جب تک اسرائیلی حکومت کا قیام نہیں ہوا تھا، اس وقت تک ہر چیز راز میں تھی، لیکن اب جبکہ وہ ایک واقعہ بن گیا، تو پیشین گوئیوں کے اشارے ظاہر ہونے لگے، دنیا شرق اوسط کے گرد سمٹ آئے گی، خاص طور پر آخری دور میں قوم اسرائیل کا مرکز وہی ہوگا۔"

یہ عیسائی صہیونی رجحان چند سالوں میں بڑی شدت سے پھیلا، ستر کی دہائی میں اس رجحان کے ظہور کے پانچ سال کے بعد اعداد وشمار سے یہ بات سامنے آئی کہ ۲۵۰ انگلیکان تنظیمیں ایسی وجود میں آگئیں جو اسرائیل کی ہمنوا ہیں اور ۴۰ ملین انگلیکن امریکیوں کے جذبات کی نمائندگی کرتی ہیں، انھوں نے یہودیوں کی تائید اور ان کے حقوق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے "اسرائیل کا شعور" کے عنوان سے انگلیکن چرچوں اور کلیساؤں کی زیرسرپرستی بڑے بڑے جلسے، پروگرام اور جشن منعقد کئے، بعض تنظیمیں "مقدس سرزمین" کے سفروں کا نظم کرتی ہیں، بعض لٹریچر تیار کرتی ہیں، اور بعض دیگر تنظیمیں یہودیوں اور اسرائیلیوں کے لئے مالی امداد اور سیاسی تعاون فراہم کرتی ہیں۔

ان تنظیموں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مغرب کے تعلقات کا استعمال اسرائیل کے مقاصد کی تکمیل کے لئے کیا جائے۔

بنیامین نیتن یاہو جب اقوام متحدہ میں اپنی حکومت کا سفیر تھا تو اس نے انگلیکن تنظیموں کے ذمہ داروں سے بتاریخ ۶ رفروری ۱۹۸۵ء کو ان کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا:

"ہماری یہودی روایات نے اسرائیلی سرزمین کی بازیافت کا شوق ہمارے دلوں میں جاگزیں کر رکھا تھا، دو ہزار سال سے ہم یہ خواب دیکھ رہے ہیں، جو صہیونی عیسائیوں کی بدولت شرمندۂ تعبیر ہوا، اس نے کہا "عیسائیوں نے ایک خوبصورت افسانہ کو ایک یہودی حکومت میں تبدیل کردیا"۔ اس نے مزید کہا: "جو لوگ تعجب کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان یہ نئی دوستی ہے، وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے طویل روحانی تعلقات سے واقف نہیں ہیں، یہ ایک تاریخی شراکت ہے جو صہیونی خوابوں کی تعبیر کے لئے اپنا کردار بہتر طریقہ پر ادا کرتی ہے۔"

امریکی کانگریس نے جس پر دایاں محاذ حاوی ہے، پورے طور پر قدس کے بارے میں اسرائیلی منصوبہ کو اپنا رکھا ہے، اس نے ۲۴/۱۰/۱۹۹۵ء میں اپنی قرارداد نمبر (۵۷۰) میں وزارت خارجہ کے اس بل کو پاس کیا جس میں تل ابیب سے امریکی سفارت خانہ کو شہر قدس منتقل کرنے کے لئے ۱۰۰ ملین ڈالر کا مطالبہ کیا گیا تھا، اور بل ۱۷ ووٹ کے مقابلہ میں ۴۰۶ ووٹوں سے پاس کیا گیا، اور ممبران نے یہ شرط رکھی کہ زیادہ سے زیادہ ۳۱/۵/۱۹۹۹ء تک سفارت خانہ کو منتقل کردیا جائے، اس میں صدر امریکا کو زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کی مدت تک تاخیر کا حق ہوگا، یعنی ۲۰۰۰ء کے شروع تک۔

نیویارک ٹائمز نے درمیان اپریل ۱۹۹۷ء میں ایک اعلان شائع کیا جس پر بڑے بڑے ان امریکی بشپ اور پادریوں کے دستخط تھے جو "متحدہ قدس کے لئے عیسائی اتحاد" نامی تنظیم کے ممبران ہیں۔

اس اعلان میں کہا گیا تھا: "یہ اتحاد اسرائیل کے قدس پر مکمل قبضہ کی تائید کرتا ہے اور گذشتہ تین ہزار سال سے انجیل وتورات کے حکم کے مطابق اسے یہودیوں کا سیاسی وروحانی دارالحکومت مانتا ہے، اور اعلان میں اس کی دعوت بھی دی گئی تھی کہ قدس کی جنگ میں شرکت کی جائے، جو شروع ہوچکی ہے، اور جس میں ہمیں یہودیوں کے صف بہ صف کھڑا ہونا ہے، اعلان میں امریکیوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ وہائٹ ہاؤس اور کانگریس

پر ایسے خطوط کی بارش کردیں جن میں بلا تاخیر امریکی سفارت خانہ کو شہر قدس منتقل کئے جانے کا مطالبہ ہو۔

آخر امریکی حکومت اس دباؤ کے سامنے جھک گئی، اور مئی ۱۹۹۹ء میں امریکی سفیر کی رہائش گاہ قدس منتقل کردی گئی اور یہ ظاہر ہی ہے کہ سفیر کی رہائش گاہ سفارت خانہ کے ہی قائم مقام ہے، اس کو تمام ڈپلومیٹک اختیارات اور تحفظات حاصل ہیں، یہ نبض ٹٹولنے کی ایک کاروائی تھی، اور توقع ہے کہ ۲۰۰۰ سے پہلے یا اس کے شروع میں سفارت خانہ باضابطہ منتقل کردیا جائے گا۔

ویٹیکان کا کیا قصہ ہے؟:

ویٹیکان (VATICAN) ان کیتھولک کلیساؤں کے نقطۂ نظر کا ترجمان ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے سولی پر چڑھوایا اور وہ سرزمین مقدس (قدس) میں مدفون ہیں، اس بنیاد پر وہ شہر قدس پر یہودیوں کے قبضہ کے مخالف ہیں اور ان کی واپسی کی ہرگز تائید نہیں کرتے (۶) لیکن یہودیوں کے شہر قدس میں آنے کے بعد انھوں نے یہودیوں سے دشمنی کے موقف پر نظر ثانی شروع کردی، ۱۹۶۱ء میں کلیساؤں کی عالمی کونسل کی طرف سے سامی نسل سے دشمن کے خلاف بیان جاری کیا گیا، جس کے ذریعہ یہودیوں کو حضرت مسیح کے سولی پر چڑھانے کی تاریخی ذمہ داری سے بری کردیا گیا پھر باقاعدہ سرکاری طور پر ان کی برأت کا اعلان کردیا گیا اور کیتھولک کلیساؤں کی دعاؤں اور عبادتوں سے وہ عبارتیں حذف کردی گئیں، جو یہودیوں کو ملزم ٹھہراتی تھیں، یہاں تک کہ مصر کا پوپ اور سابق یہودی وزیر اعظم شمعون پیرز کے درمیان تاریخ ساز ملاقات ہوئی۔ یہ واقعہ اسّی کی دہائی کا ہے، اس ملاقات میں پوپ نے جھک کر وزیر اعظم سے مصافحہ کیا، پھر ۱۹۹۳ء میں ویٹیکان نے سرکاری طور پر یہودی حکومت کو تسلیم کرلیا، ہاں وہ ابھی تک شہر قدس کے اسرائیلی پایۂ تخت ہونے پر رضامند نہیں ہیں، بظاہر ویٹیکان جو کیتھولک عیسائیوں کا عالمی مرکز ہے، اسکے لئے تیار نہیں ہوگا کہ یہودی یا مسلمان شہر قدس کو دارالحکومت بنائیں کیوں کہ کیتھولک اور آرتھوڈاکس دونوں کے نزدیک شہر قدس حضرت مسیح اور مسیحیوں کا دارالخلافت ہے۔

فلسطین کے عیسائیوں کا موقف:

جہاں تک فلسطین کے عیسائیوں کا تعلق ہے تو اس کا علم اس میمورنڈم سے ہوسکتا ہے جس کو قدس کے عیسائی گروہوں کے لیڈروں اور پیٹر یارک نے تیار کیا تھا، اور ۱۴ رنومبر ۱۹۹۵ء کو اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی، اس میں انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ قدس "جنس انسانی" کا پایۂ تخت بنایا جائے، اور زور دے کر کہا گیا تھا کہ رب نے قدس کو اپنی اقامت کے لئے اختیار کیا اور "کتاب خواب" نئے شہر قدس میں مسیح کی آمد کی خوشخبری دیتی ہے، جس میں رب سب کے آنسو پونچھ دے گا، قدس ہر عیسائی کے لئے زندگی کا سرچشمہ ہے، قدس میں رہنا، رب کے گھر میں رہنے کے مرادف ہے۔"

مختصر یہ کہ دنیا بھر کے عیسائی اس پر متفق ہیں کہ قدس مسلمانوں کے اقتدار میں نہ رہے، اختلاف ان کے درمیان یہودیوں کے اقتدار کے رہنے نہ رہنے کا ہے۔

عالمی عیسائی مشنری جو پروٹسٹنٹ ہے، یہودیوں کی تائید والے موقف کی ترجمانی جس کا ذکر ۱۹۹۳ء میں "بابل یا قدس" کے عنوان سے یان وین ڈارہوون" کی کتاب میں کیا گیا، یوں کرتی ہے:

"مشنری بیت المقدس" کے سلسلہ میں مسلمانوں کے دعویٰ کو مسترد کرتی ہے، اور ان یہودیوں کے بارے میں نرم پالیسی کا مطالبہ کرتی ہے جو بیت المقدس میں عبادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ اسرائیل کا یہ حق ہے کہ قدس کو اپنا متحدہ دارالحکومت بنائے۔

کتاب میں مزید کہا گیا:

"عالمی عیسائیوں کو اعتماد واطمینان ہے باوجودیکہ رب نے ایک طویل عرصہ تک قدس کو چھوڑے رکھا لیکن وہ بادشاہ داؤد کے فرزند کی شکل میں وہاں واپس آئے گا، مسیح بادشاہ، جو شہر قدس سے حکومت کرے گا، اور پھر علاقہ کی تمام قومیں اور حکام اس کی طرف کھنچ کر آجائیں گے، اور یہ نئی صورتحال آخری دور سے متعلق خواب کی تکمیل ہوگی جس سے عالمی سلامتی اور انصاف وجود میں آسکے گا۔

بیت لحم میں ازدہام:

(بیت لحم ۲۰۰۰ء) عالمی عیسائی جشن کا عنوان ہے کثرت سے خبریں آرہی ہیں کہ بیت لحم شہر میں زبردست جشن ہوگا (۷) بعض معتبر ذرائع کے مطابق شہر قدس میں جو لوگ اس سن عیسوی یا اس کے بعد کے سال میں آئیں گے ان کی تعداد پندرہ لاکھ ہوگی، بعد میں اندازہ بیس لاکھ کا لگایا گیا، اور جب پوپ کی آمد یقینی طور پر ہوگئی تو اندازہ بڑھ کر تیس لاکھ کا ہوگیا (دیکھئے اخبار الوسط ۴/۱/۱۹۹۹ء) بعض جو مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، نے ساٹھ لاکھ کا اندازہ لگایا (دیکھئے المجتمع ۲/۳/۱۹۹۹ء) بہرحال جو بھی تعداد ہو غور فرمایئے کہ اگر اس انبوہ کثیر میں چند سو، نے بھی "بیت لحم" میں جو فلسطینی حکومت کے ماتحت ہے، کوئی انتشار پیدا کرنا چاہا تو اس پر قابو پانا ناممکن ہوگا۔

یہ بھی طے ہے کہ متعدد عالمی لیڈر اس ہزارہ سوم کے جشن میں شریک ہوں گے جن میں سرفہرست ویٹیکان کے پوپ، سابق صدر کلنٹن

اور بورس یلتسن ہیں جو کمیونزم کو فراموش کرکے مذہبی جشنوں کی صدارتی کمیٹی میں شامل ہوگئے ہیں (۸)

اس جشن کے لئے ۳۲۲ ملین ڈالر مختص کئے گئے ہیں، جشن میں اردن بھی شریک ہوگا، کیونکہ (اطغطس) کا علاقہ جس میں حضرت مسیحؑ کو بپتسمہ دیا گیا تھا، ہزاروں کے محاذی سرزمین اردن کے اندر ہی پڑتا ہے، مصر کی شرکت بھی متوقع ہے، لیکن بنیادی طور پر انتظامات حکومت فلسطین کے سر ہیں۔

یہودی آئندہ جشن کو یا عیسائی اژدحام کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں، اس میں شک نہیں کہ وہ اس کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرلیں گے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے شکوک وشبہات کا اظہار بھی کررہے ہیں، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ عیسائی اسرائیل کی تائید کے ساتھ اپنے الگ مفادات رکھتے ہیں، خاص طور پر انگلیکان عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ اسرائیل مسیح کی آمد سے پہلے کا ایک تمہیدی مرحلہ ہے، ہزارہ سوم سے کئی ماہ پہلے یہودیوں کے یہ اندیشے ظاہر ہونے لگے ہیں۔

اسرائیلی اخبار ''کول عمیر'' نے یہ خبر شائع کی تھی کہ سابق وزیر اعظم نیتن یاہو کے دفتر سے متعلق دہشت گردی مخالف کمیٹی لاکھوں مسیحی زائرین کو جو ہزارہ سوم کے جشن کے سلسلہ میں مقدس علاقہ میں آرہے ہیں، امن عامہ کے لئے مضر سمجھتی ہے، اور اخبار نے مزید لکھا ہے کہ ان خطرات کے مقابلہ کے لئے تیاریاں چل رہی ہیں جو بیت لحم ۲۰۰۰ء کے جشنوں اور تقریبات میں بیس لاکھ سے زیادہ افراد کی آمد سے پیدا ہوسکتے ہیں۔

اخبار نے مزید کہا کہ اسرائیلی حلقے اس سیاحتی ترقی کی خواہش کے باوجود اس کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ امریکا اور یورپ میں سرگرم بنیاد پرست، انتہا پسند راڈیکل گروپ اس مجمع میں نہ داخل ہوجائے، جو اپنے اس تصور کی بنیاد پر کہ ۲۰۰۰ء دنیا کے اختتام کی ابتدا ہے، دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث ہوجائیں اور ان میں بعض فنائے دنیا سے پہلے مقدس سرزمین میں موت کے متمنی ہوں اسرائیلی حلقوں نے اس اندیشہ کا بھی اظہار کیا کہ اس کا بھی خطرہ ہے کہ متشدد اسلامی تنظیمیں اس بھیڑ واژدحام سے فائدہ اٹھا کر اسرائیلی نشانوں پر حملے کریں۔

انگلیکان گروہ کے لوگوں کا موجودہ عالمی حالات کے بارے میں مخصوص نظریہ ہے، ان کا خیال ہے کہ دنیا تیزی سے تقدیری طور پر اپنی آخری تباہی کی طرف رواں دواں ہے، ان کے نزدیک ڈرامائی تبدیلیوں اور مہلک ترین جنگوں کے بعد نجات والی نسل سامنے آئے گی، جو مسیح کے زمانہ سلامتی کو پائے گی۔

امریکن صحافی خاتون ''گریس ہال سیل'' نے جس کی اس طبقہ وگروہ کی سرگرمیوں پر گہری نگاہ ہے ایک انگلیکن عیسائی سے اس دور اور مرحلہ میں سرزمین مقدس کے بارے میں اس کے عقائد دریافت کئے، تو اس نے کہا:

''ہمارا ایمان ہے کہ تاریخ کی بساط اس کے ساتویں مرحلہ کے لئے لپیٹی جارہی ہے، یہ آخری مرحلہ ہے، مسیح کی بادشاہت کے قیام کا مرحلہ جس میں مسیح شہر قدس کے پایۂ تخت سے ایک ہزار سال تک حکومت کریں گے''۔

بہت سے یہودی اس دوران عیسائی ہوجائیں گے اور ان کی ہزارہ والی مملکت میں شریک ہوں گے، دنیا کی یہی حقیقی مملکت ہوگی، جس کا دارالحکومت ''قدس'' ہوگا، صحافی خاتون نے پوچھا اس سے پہلے کیا واقعات ہوں گے اس نے کہا:

(۱) یہودی اس مقدس زمین کی طرف واپس آجائیں گے، (۲) ان کی حکومت قائم ہوجائے گی جس کا پایۂ تخت قدس ہوگا اور یہ واقعہ دو ہزار سال بعد پیش آچکا ہے، (۳) کلیسا دنیا میں اپنا کردار پھر ادا کرے گا (۴) انجیل کا پیغام دنیا کی تمام قوموں تک بشمول اسرائیلی نسل کے پہنچ جائے گا، (۵) دنیا کے مختلف علاقوں میں بڑے حوادث، مصائب اور فتنے پیش آئیں گے، (۶) ایک نیوکلیائی عالمی جنگ چھڑے گی، یہ چھٹی علامت بہت اہم ہے، ان کے نزدیک مسیح جنگ کے بعد آئیں گے، اور وہ جنگ عالمی ہوگی، وہ چاہتے ہیں کہ وہ نیوکلیائی شرق اوسط میں ہو، نارتھ اٹلانٹک پر ساؤتھ میڈیٹرینین ہو، غور فرمائیے کہ جنگی جنون ہزارہ سوم میں کرہ ارضی میں ان سے کیا کرانے والا ہے؟

---

(۱) یوحنا کا خواب (اصحاح ۳-۱۲/۱۳)

(۲) یوحنا کا خواب (اصحاح ۲-۵/۷)

(۳) یوحنا کا خواب (اصحاح ۷-۲،۴)

(۴) اس نقطۂ نظر اور موقف میں کیتھولک کی تائید قبطی بھی کرتے ہیں جو آرتھوڈکس ہیں عیسائی پوپ اپنے کلیسا کے ماننے والوں کو قدس جانے سے منع کرتے ہیں، جب تک وہ یہودیوں کے قبضہ میں آئے

(۵) اسی لئے یہودیوں نے تورات کے اس نسخہ کو احتیاط سے محفوظ رکھا ہے اور اس کو قدس میں ہرزل کی قبر کے پاس رکھا ہے، دیکھئے کتاب ''نبوت اور سیاست'' از گریس ہال سیل، ص ۹)

(۶) یہ بات ۱۹۹۹ء میں اخباری رپورٹوں کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔

(۷) خیال رہے کہ یہ ساری باتیں ۱۹۹۹ء میں لکھی گئی ہیں، اور مصنف کے اکثر اندازے صحیح ثابت ہوئے۔

کتابوں کی دنیا

مولانا عتیق احمد بستوی

نام کتاب: شرح شمائل ترمذی جلد اول

مصنف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد، نوشہرہ، سرحد پاکستان

صفحات: ۶۳۸

مولانا عبدالقیوم حقانی پاکستان کے مستند و بافیض علماء میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے دین کے مختلف میدانوں میں سرگرم خدمت لے رہا ہے، تدریس وخطابت کے علاوہ تحقیق وتصنیف کے میدان میں بھی انھوں نے نمایاں کارنامے انجام دئے، اور ان کا رہوارِ قلم بڑی تیزگامی سے علم وتحقیق کی بلند منزلیں طے کررہا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب امام ترمذی کی مشہور زمانہ کتاب شمائل نبویؐ کی مفصل اردو شرح ہے، امام ترمذی کی کتاب شمائل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل پر لاثانی کتاب ہے، اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، اردو زبان میں حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب ''خصائل نبوی'' شمائل ترمذی کی مختصر وجامع شرح ہے، مولانا عبدالقیوم حقانی کی زیر تبصرہ کتاب، شمائل ترمذی کی مفصل اور تحقیقی شرح ہے، یہ کتاب تمام اردو خواں قارئین کے لئے خصوصاً مدارس دینیہ کے طلباء اور فضلاء کے لئے بہت مفید ہے، مصنف نے ہر حدیث کے رجال سند پر جچی تلی رائے قائم کی ہے، طبقات وتراجم کی مستند کتابوں سے راویوں کے مختصر حالات نقل کئے ہیں، حل لغات اور ترکیب نحوی پر خاص توجہ کی ہے اور تحقیق واتقان کے ساتھ احادیث پر گفتگو کی ہے، اس کتاب کی تصنیف میں مصنف کا حب نبویؐ سے معمور قلب قلم کے ہم عنان رہا ہے، اس لئے مختلف صفحات پر حب نبوی کی گلکاریاں دیدہ ودل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

کتاب اقتباسات اور حوالوں سے آراستہ ہے، لیکن اس کا قدم قدم پر احساس ہوا کہ حوالے ادھورے اور نامکمل ہیں، اکثر جگہوں پر کتابوں کا پورا نام بھی نہیں لکھا گیا ہے، ایڈیشن، مقام اشاعت، سن اشاعت تو دور کی بات ہے۔ اگلے اڈیشن میں حوالہ جات کو مکمل کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، جن کتابوں کا نام بار بار آنے کی وجہ سے نام میں حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے ان کی وضاحت مصنف کے قلم سے کتاب کے مقدمہ یا حرف آغاز میں کی جانی چاہئے تھی، امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں آخری جلد کے آخر میں مفصل کتابیات شامل کرکے اس کمی کی تلافی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ مصنف کی اس گراں قدر کوشش کو قبول فرمائے اور دنیا میں بھی قبولیت سے نوازے۔

کتاب: جمال یوسف

مصنف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ پاکستان

صفحات: ۳۰۴

یہ کتاب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مایہ ناز شاگرد محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے، جسے مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے مرتب کیا ہے، حضرت مولانا بنوریؒ کی وفات کے بعد ان پر ماہنامہ بینات کراچی کا خصوصی نمبر شائع ہوا تھا جو خاصا وقیع وضخیم تھا، وہی خصوصی نمبر اس سوانح کا اہم ترین ماخذ ہے، مؤلف کتاب نے عرض مولف میں لکھا ہے: ''اس تالیف کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرتؒ کی زندگی کے وہ پہلو سامنے لائے جائیں جو محرک عمل ہوں، جنھیں پڑھ کر قاری کے ذہن میں عمل کا داعیہ پیدا ہو'' مولف گرامی کا یہی نقطۂ نظر پوری کتاب پر حاوی نظر آتا ہے، مولانا حقانی نے علامہ بنوریؒ کی سوانح لکھ کر ایک قابل قدر کام کیا ہے، اس کتاب سے ہماری نئی نسل کو روشنی ملے گی اور علامہ بنوریؒ کے نقوش قدم طبقۂ علماء کی رہبری کریں گے، لیکن اس کتاب کو ہم محدث کبیر علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی مکمل سوانح حیات قرار نہیں دے سکتے، اس لئے کہ کامل سوانح کے بہت سے بنیادی اجزا اس کتاب میں موجود نہیں ہیں، نسب وخاندان کا حصہ بہت مختصر ہے، صاحب سوانح کے عصر وماحول کے بارے میں کوئی باب شامل نہیں ہے، اساتذہ کے ذکر میں کافی اختصار سے کام لیا گیا ہے، تصنیفات اور علمی کارناموں کا ذکر ناتمام وتشنہ ہے، مولانا بنوریؒ کے تعلیمی، سماجی، سیاسی افکار ونظریات پر بھرپور روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، غرضیکہ اس کتاب سے جمال یوسف کی کچھ جھلکیاں تو نظر آتی ہیں لیکن کمال یوسف کی رعنائیوں کے لئے نگاہیں منتظر اور بیتاب رہ جاتی ہیں امید ہے کہ اگلے اڈیشن میں کتاب کو زیادہ مکمل اور جامع بنانے کی کوشش کی جائے گی، تصحیح کا اہتمام بھی اور زیادہ کئے جانے کی ضرورت ہے۔

حاجی نثار احمد مرحوم

مولانا محمود حسن حسنی ندوی

دار عرفات تکیہ کلاں میں رائے بریلی کے معروف تاجر اور ہردلعزیز شخصیت جناب حاجی نثار احمد صاحب کے انتقال پر تعزیتی جلسہ ڈائرکٹر دار عرفات مولانا احمد علی ندوی کی زیر صدارت منعقد ہوا، جلسہ کا آغاز قاری فاروق صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، انجمن تعلیمات دین رائے بریلی کے جنرل سکریٹری مولانا نیاز احمد ندوی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: حاجی صاحب ان لوگوں میں تھے جو چھوٹی حیثیت سے بڑی حیثیت والے بنے، انھوں نے بیڑی بنانے سے کام شروع کیا اور پھر اتنی ترقی کرلی کہ پورے ضلع میں ان کا طوطی بولنے لگا اور ان کا کام خوب پھیل گیا، لیکن انھوں نے اپنے ماضی کو برابر یاد رکھا، اور وہ برابر مساوات، غرباء پروری، بیواؤں یتیموں کی فکر، کمزوروں کی مدد اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی نہایت ہمدردانہ سلوک کرتے رہے، علماء اور بزرگوں سے ان کو بڑا لگاؤ تھا، مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی سے انھیں والہانہ تعلق تھا۔

ڈائرکٹر دار عرفات مولانا سید احمد علی ندوی نے ان کی سادگی، خلوص، نیکی اور وضعداری کا خصوصیت سے ذکر کیا، ان کے دینی وملی رفاہی کاموں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ رائے بریلی میں جب شباب اسلامک انوسٹمنٹ بینک کا آغاز ہوا تو انھوں نے اس کام کو مضبوط و پائیدار بنانے کے لئے دینی کام سمجھ کر اپنی ذاتی بڑی رقم فراہم کی، اور کہا کہ وہ کھلی طبیعت کے اور مرنجا مرنج شخصیت تھے، اور کہا کہ ان کو سماج میں اونچا مقام حاصل تھا، وہ ضلع انجمن تعلیمات دین کے سابق صدر اور صدیق اکبر فاؤنڈیشن کے صدر تھے، قاری فاروق نے کہا کہ ان کی اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ سے تعلق قائم کرنے کے بعد اس کا پورا لحاظ رکھا کہ اپنی زندگی اسلامی اصولوں اور شریعت کے مطابق گزاریں، یہ خصوصیت اس وقت خاص طور سے سامنے آئی جب انھوں نے نہایت سادگی اور کم خرچ کے ساتھ اپنے گھر کی شادیاں کرائیں، انھوں نے اصلاح معاشرہ کی مہم کے تحت اس کی ترغیب بھی دی اور رسوم واسراف کو ختم کرنے کے لئے کوشش کی، قاری فاروق نے ان کی اس خوبی کا بھی ذکر کیا کہ کسی کی برائی ان سے سنی نہیں جاتی تھی، اور یہ کہ وہ نماز، تسبیح، دعا، تلاوت اور دوسرے معمولات کے بڑے پابند تھے، اور ایک زمانہ میں انھوں نے پہلوانی کی تھی، اور کہا کہ وہ بڑے صحیح العقیدہ مرد مومن تھے۔

مولانا محمد ناصر ندوی اور مولانا مختار ندوی نے ان کی صاف گوئی، اخلاص، علماء سے تعلق، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور ضرورتمندوں کے کام آنے، دینی اداروں کی مدد اور خاموشی سے ملی کاموں میں تعاون کا ذکر کیا، جلسہ میں حاضرین نے ان کی وفات کو ایسا خلا بتایا جو آسانی سے پُر ہونا مشکل ہے۔

اس موقع پر مولانا عبید اللہ نیپالی، مولانا نذیر احمد اور محمود حسن ندوی موجود تھے، مولانا بلال عبدالحی ندوی نے حاجی صاحب کو ایک بلند کردار وصلاحیت کا انسان بتایا۔

رمضان میں روز ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے، عمر ۷۴ سال تھی، رائے بریلی شہر کے رہنے والے تھے، حضرت مولانا علی میاںؒ سے نیازمندانہ مراسم تھے۔

نماز جنازہ حضرت مولانا رابع ندوی مدظلہ نے پڑھائی اور تدفین باغ نثار میدان پور تکیہ میں ہوئی۔ ●

کاروانِ رفتگاں

● جناب سوداگر ابوبکر داؤد ساعتی مہتمم معہد اسلامی پٹن (برادر مرحوم داؤد ساعتی) کا ۲؍مارچ ۲۰۰۳ء کو انتقال ہوگیا۔

● جناب حاجی غلام رسول مکھی، سرگرم تبلیغی کارکن اور صاحب خیر پان پور ضلع سابرکانٹھا، گجرات میں ۲۱؍فروری کو رحلت فرماگئے۔

● جناب اکرام الحق صاحب پٹیل نگر گونڈہ کا گزشتہ دنوں انتقال ہوگیا، مرحوم مدارس عربیہ کی سرپرستی کرتے تھے، اور تعمیر حیات اور ندوہ سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔

● ناظم جمعیۃ الاصلاح سید عطاء اللہ ندوی کے چچا جناب سید محمد سمیع اللہ شاہ صاحب کا گزشتہ دنوں بنگلور میں انتقال ہوگیا۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

تشدد اور منفی رویہ اسلامی روایات کے منافی

علم کے ساتھ یقین کی ضرورت پر زور

ناظم ندوۃ العلماء کا پانی پت اور کیرانہ میں اظہار خیال

مولانا محمود حسن حسنی ندوی

پانی پت، کیرانہ اور کاندھلہ یہ وہ علاقے اور خطے ہیں جو ہندوستان میں اسلامی تاریخ کے زریں باب ہیں، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کو کیرانہ کے ایک خالص مسلم آبادی والے علاقہ محمد پور سے مرکز الامام رحمۃ اللہ علیہ الکیرانوی کے سنگ بنیاد نصب کرنے اور جامعہ عائشہ للبنات کے افتتاح کے لئے دعوت دی گئی، جو منظور کرلی گئی اور پروگرام طے ہوگیا۔

جناب محبوب حسن صاحب اور مولانا مطلوب حسن ندوی کی طرف سے یہ دعوت اس لئے بھی کشش رکھتی تھی کہ مولانا مدظلہ اب تک ان علاقوں میں تشریف نہ لے جاسکے تھے، دوشنبہ ۳؍فروری ۲۰۰۳ء رات کو مولانا مدظلہ کے علاوہ الحاج عبدالرزاق صاحب، مولانا بلال حسنی، مولانا عبدالسبحان بھٹکلی، مولانا معاذ کاندھلوی اور راقم السطور پر مشتمل یہ قافلہ کٹیہار امرتسر ایکسپریس سے روانہ ہوا، اور یہ ٹرین کانپور، دہلی اور سونی پت کے راستہ سے پانی پت اپنے وقت سے پانچ گھنٹہ تاخیر سے پہنچی، لیکن اس تاخیر کا خمیازہ اہالیان پانی پت کو بھگتنا پڑا، جو مسجد گنبدان میں فجر کے بعد بڑی تعداد میں مولانا مدظلہ کو دیکھنے اور سننے کے لئے جمع ہوئے تھے، کافی انتظار کے بعد چھٹ گئے، اور مولانا مدظلہ کے پہنچنے کے بعد جمع اس لئے نہیں ہوسکتے تھے کہ اگلا پروگرام جو محمد پور میں تھا، وہ مولانا کے یہاں ٹھہرنے سے متاثر ہوتا، اس لئے مولانا اس تاریخی مسجد میں (جو کبھی تاریخی مدرسہ بھی رہا ہے اور چوٹی کے علماء نے تعلیم حاصل کی ہے، جن میں | حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری اور حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کا نام لینا کافی سمجھتا ہے، تقسیم ہند کے بعد گردوارہ میں تبدیل ہوچکی تھیں، جسے اب بڑی کوششوں کے بعد برکۃ العصر حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی نے خرید کر آزاد کرایا۔) کچھ دیر ٹھہرے، اسی کے احاطہ میں واقع مدرسہ کے ناظم مولانا احترام الحسن صاحب فرزند مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی نے مولانا کو مسجد ومدرسہ اور علاقہ کے احوال سے واقف کرایا، مگر اتنے میں صحافی اور فوٹو گرافر کو سن گن ہوگئی، فوٹو گرافر نے بڑے ادب واحترام سے اجازت چاہی کہ آپ ہمارے پانی پت میں پہلی بار آئے ہیں، اس لئے ایک فوٹو نکالنے کی اجازت دیجئے، ادھر سے جواب ملتا اتنے میں اس نے ایک پوز لیا اور چلتا ہوا، ادھر میزبان اور مہمان کی گفتگو جاری تھی، اُدھر موقع پاکر صحافی صاحب اپنا کام چلا لیتے تھے، اگلے دن وہ خود (بلال صاحب نمائندہ سہارا دہلی) اخبار کا تراشہ لے کر حاضر خدمت ہوئے، تراشہ کا عنوان تھا "تشدد اور منفی رویہ اسلامی روایات کے خلاف" باقی تفصیل یہ تھی:

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے کہا ہے کہ مذہب اسلام کا قتل وغارت گری سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام بے گناہوں اور معصوموں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، انھوں نے کہا کہ اچھے کام اور اپنے جائز حق کے حصول کی کوشش کو جہاد کہا جاتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ حق کو کسی بھی مذہب نے برا نہیں کہا ہے، دہشت گردی، سیاسی اصطلاح ہے، مدرسوں میں امن کی تعلیم دی جاتی ہے، مولانا نے کہا کہ مدارس اسلامیہ میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، ہم اپنے حق کے لئے کوئی احتجاج کرتے ہیں تو ملکی قانون کے دائرہ میں رہ کر کرتے ہیں، ہمارا ہر احتجاج پرامن ہوتا ہے، تشدد اور منفی رویہ اسلامی روایات کے خلاف ہے۔

ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ مسلم پرسنل لابورڈ اسلامی قانون کی پاسداری اور حفاظت کرتا ہے، سماج میں پنپ رہی غلط رسوم جہیز وغیرہ کے خلاف جدوجہد کرتا ہے اور بورڈ میں ہر مکتب فکر کی نمائندگی ہے۔

قادیانیت سے متعلق متعدد سوالات کے جواب میں انھوں نے کہا کہ "بلاشبہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں، ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے، قادیانی خود کیا کرتے ہیں، کس طرح اپنی زندگی گزارتے ہیں، یا اپنی مساجد ومدارس میں کیا پڑھاتے ہیں، ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں، نہ ہم ان پر پابندی کی بات کررہے ہیں، ہم تو اپنے مسلم بھائیوں کے دین وایمان کی حفاظت کی بات کرتے ہیں، ان کو گمراہ ہونے سے بچاتے ہیں۔

مولانا رابع ندوی نے مقامی علماء کو بھی آپسی اتحاد کی تلقین کی اور کہا کہ حکمت عملی، بردباری اور تواضع کے ساتھ ملی اصلاح کی فکر کرو۔

انھوں نے کہا کہ قوم کی اصلاح کی ذمہ داری علماء کی ہے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، صدر بورڈ نے دعوت وتبلیغ کے طریقہ کار پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی، قبل ازیں ناظم مدرسہ مولانا احترام الحسن کی

قیادت میں شہر کے ائمہ ارباب مدارس اور اہل علم نے صدر دروازہ پر ان کا استقبال کیا۔

یہ تھا پانی پت کا مختصر سا قیام، جس سے خود مولانا مدظلہ کو سیری نہ ہو سکی، اس علاقہ کا جو ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نشانی ہے حضرت مولانا مدظلہ سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا، لیکن منزل مقصود، مقصد اور وقت آڑے آ رہا تھا، یہاں کی خواہش اور تقاضہ کو دبایا، یہاں کی عظیم ہستیوں کہ جن میں سلسلۂ روحانی کے دو عظیم المرتبت شیخ حضرت مولانا شمس الدین ترک اور مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا، بھی ہیں، اور بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، قلندر زمانہ شیخ بو علی قلندر، شاعر اسلام خواجہ الطاف حسین حالی یہیں آرام فرما ہیں ان بزرگوں کو اپنی جگہ ہی سے سلام کیا اور ان کے لئے دعا و ایصال ثواب کیا، اور محمد پور کیرانہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

محمد پور کیرانہ میں:

محمد پور میں پروگرام دیر ہوئے شروع ہو چکا تھا، دارالعلوم دیوبند کے موقر استاذ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیر آبادی تقریر فرما رہے تھے، سیدھے اجتماع گاہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے ساتھ ہم سب پہنچے، مولانا کی تقریر ختم ہو چکی تھی، ظہر کا وقت تھا، یہ اعلان کیا جانے والا ہی تھا کہ اب دوسری نشست بعد ظہر ہوگی، نماز ظہر کو مؤخر کر کے پروگرام کو اور طول دیا گیا، اور حضرت مولانا مدظلہ کے لئے خیر مقدمی کلمات مدرسہ کا تعارف، علاقہ کی صورتحال، بیان کرنے کے بعد مولانا مدظلہ سے لڑکیوں کے لئے قائم کئے گئے اس مدرسہ "عائشہ للبنات" کے افتتاح کی درخواست کی گئی اور حضرت مولانا مدظلہ نے "قصص النبیین" (تالیف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) کے ذریعہ اس کا پہلا سبق "من کسر الأصنام" پڑھ کر کیا، اس کے بعد مختصر تقریر بھی فرمائی اور دعا کی، اس طرح مستورات کا یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، معلوم ہوا کہ وہ بڑی تعداد میں جمع ہوئی تھیں، اور

اگر مولانا کے یہاں پہنچنے میں ذرا اور تاخیر ہو جاتی تو نظام خاصا درہم برہم ہو جاتا، راستہ میں استقبال کے لئے کئی ٹرالیاں کھڑی تھیں، معلوم ہوا کہ یہاں استقبال کا یہی طریقہ ہے، اس پروگرام میں مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی پھلتی بھی تشریف لائے، ان کے ساتھ ان کے بھائی مدرسہ شاہ ولی اللہ پھلت کے اساتذہ و کارکنان بھی بعد میں گڑھی دولت کے مولانا کامل صاحب اور رسول پور تھانہ بھون کے مولانا محمد یامین صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند اور دیگر حضرات بھی ملاقات و زیارت کے لئے آئے، عصر بعد مجلس اور پھر مغرب بعد جلسہ عام ہوا۔

حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ "اصل بات یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی کو سچی دینی زندگی بنانا چاہئے، اور ہمیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر پورا یقین ہو، ہم ان باتوں کو ویسی ہی اہمیت دیں جو دنیا میں اپنی آنکھ سے دیکھی چیز کو دیتے ہیں، اور انہوں نے یہ آیت بھی پڑھی "مَنْ یَعْمَلْ سُوْءً یُجْزَ بِہٖ" (کہ جو کوئی بھی برائی کرے گا اس پر اس کی پکڑ ہوگی) اور کہا کہ خاندانی تعلقات اور کوئی نسبت اللہ کے یہاں مجرم کے کام نہیں آئے گی، مجرم کوئی ہو، کہیں کا ہو اس کے جرم پر اللہ کے یہاں سزا ہے۔

مولانا مدظلہ نے علم کے متعلق کہا کہ سب سے پہلی چیز وہ علم حاصل کرنا ہے جس کے بغیر نجات نہیں ہے، جس کی اصل توحید ہے اور شرک کو سمجھنا ہے کہ کیا شرک ہے؟ کیا شرک نہیں ہے، اس لئے کہ شرک ناقابل معافی جرم ہے، مولانا نے مزید کہا کہ اس سلسلہ میں ہماری جو غفلت ہے وہ لاعلمی کے سبب ہے، ہمیں اچھائی اور برائی کے علم اور اس کی فہرست سے واقفیت کے ساتھ اس پر جو وعدہ یا وعید ہے، اس کا بھی علم ہونا چاہئے، مولانا نے یقین کی کمزوری اور اس کے نتیجہ میں غفلت والا پرواہی کا ذکر فرماتے ہیں کہا کہ "یقینی علم ہونا ضروری ہے، صحابہ کا علم یقینی تھا، اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر مضبوط یقین رکھتے تھے، انبیاء کے بعد صحابہؓ سے بہتر کوئی جماعت نہیں، ایسا کیوں ہے کہ انھیں اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کا علم تھا اور پھر اس پر پورا یقین تھا، انھیں یہ یقین حاصل تھا کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور وہاں اسی ایمان و یقین کا بدلہ ملے گا، انہوں نے کہا کہ اللہ دنیا میں یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندہ ہماری باتوں پر جو ہم رسول کے ذریعہ اس تک پہنچاتے ہیں، وہ کتنا یقین کرتا ہے اور اس یقین پر کتنا عمل کرتا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ آج ضرورت اسی یقینی علم کی ہے، اور اس کے حاصل کرنے کی پہلی شکل ظاہری علم کی ہے اس کے بعد پھر یقینی علم کی صورت پیدا ہوگی، انہوں نے فرمایا کہ اتنا علم تو ہر انسان اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جس سے وہ گناہوں سے بچ سکے اور نیک کاموں کو اختیار کر سکے، اور تفصیلی علم ان کے لئے ہے جنہیں رہبری کرنی ہے، تو ایک علم فرض عین ہے اور ایک فرض کفایہ ہے، اسی طرح ایک کام فرض عین کا ہوتا ہے اور ایک فرض کفایہ، فرض عین سے ہم میں سے کسی کو مفر نہیں ہے، یہ کرنا ہی کرنا ہے، مولانا نے دعوت و تعلیم کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو باخبر کرنے اور واقف کرانے اور سیدھا راستہ بتانے کے لئے نبی بھیجتا رہا ہے، نبی اللہ کا ایلچی ہوتا ہے، جب اللہ نے دین مکمل کر دیا تو اس کے ساتھ سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں، اب اس دین مکمل کی تبلیغ و تعلیم کا کام امت کے افراد کو کرنا ہے، انہیں کرنا ہے جو اس دین کے حامل ہیں اور علم رکھتے ہیں، حدیث میں کہا گیا ہے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"۔

مولانا نے دیگر ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ اقلیت کو اپنے تحفظ اور ترقی کے لئے خود اقدامات کرنے پڑتے ہیں، اور پھر جبکہ اس

ملک کا نظام سیکولر ہے، تو کیسے یہ ممکن ہے کہ یہاں کی حکومتیں ہماری دینی فکر کریں گی۔

معاشرہ میں عورتوں کی اہمیت اور ان کی ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے کہا کہ "عورت کا نسل نو کی تربیت میں بنیادی حصہ ہوتا ہے، اکثر بڑے لوگ وہ ملیں گے جن کی تربیت میں ماں کا کردار نمایاں ملے گا، انہوں نے کہا کہ ایک مرد کی تعلیم سے ایک مرد کا فائدہ ہے، لیکن ایک عورت کی تعلیم سے پورے خاندان، کنبہ کی استواری ہے۔

جلسۂ عام میں مولانا محمد الیاس مہتمم جامعہ بیت العلوم پہلی مزرعہ ہریانہ مولانا محمد کلیم صدیقی پھلت مولانا محمد یامین، مولانا سید بلال حسنی اور مولانا عبدالسبحان بھٹکلی کے بھی بیانات ہوئے۔

رات کا قیام محمد پور ہی میں رہا، صبح بعض تعلق والوں کے گھر ہوتے ہوئے مولانا مدظلہ "مرکز الامام الکیرانویؒ" کی تقریب سنگ بنیاد میں خطاب فرمانے کے لئے پروگرام گاہ گئے، اور مرکز الامام الکیرانویؒ (زیر انتظام حضرت مولانا علی میاں ندوی سوسائٹی) کے تحت مسجد شیخ الاسلام (بیادگار حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) اور معہد الشیخ محمد زکریا کاندھلوی لتحفیظ القرآن الکریم وتجویدہ کی خشت اول رکھی، مولانا مدظلہ نے مرکز کے منصوبوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور تعاون و رہنمائی کا یقین دلایا، علوم شرعیہ کیساتھ عربی زبان و ادب کی طرف خصوصی توجہ کو اہم ضرورت قرار دیا، اور اس پر خوشی کا اظہار کیا، تعلیم کی فکر کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور تزکیہ کی فکر و اہتمام کرنے پر مولانا نے ذمہ داران کی ہمت افزائی فرمائی، اور پہلی مزرعہ کے مولانا محمد الیاس مفتاحی کی سرپرستی کو مبارک قرار دیا، اور اس علاقہ میں ان کی تبلیغی و تعلیمی مساعی کا ذکر کیا، مولانا مدظلہ نے اپنے بصیرت افروز خطاب میں اس علاقہ کو قابل رشک علاقہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ علاقہ ساری دنیا میں شہرت رکھتا ہے، خاص طور سے یہ کیرانہ کا علاقہ

کہ جس کو مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی وجہ سے بڑی عزت و شہرت ملی، ان کی اس ملک میں اسلام و مسلمانوں کے لئے ناقابل فراموش قربانیاں ہیں، انہی قربانیوں کے نتیجہ میں ان کو مکہ مکرمہ ہجرت کرنی پڑی جہاں مدرسہ صولتیہ قائم کیا، جہاں سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے، قطر، مصر، ملیشیا، انڈونیشیا اور کہاں کہاں کے لوگ آ آ کر وہاں سے استفادہ کرتے رہے، قطر کے ایک بڑے عالم سے ملاقات ہوئی وہ کہتے تھے کہ انہوں نے صولتیہ میں پڑھا ہے، مولانا رحمت اللہ صاحب نے عیسائیت کے خلاف اس وقت کام کیا جب وہ پورے زور و شور کے ساتھ سامنے آئی تھی، مولانا کی کتاب "اظہار الحق" سامنے آئی تو اس نے عیسائیوں کو گنگ کر دیا، ترکی حکومت نے مولانا رحمت اللہ کی خدمات لیں، مولانا کیرانوی سے موسوم کئے جانے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا کیرانوی کی یاد کو باقی رکھا جا رہا ہے، اور کہا کہ ایک بیج جو مٹر کے برابر ہوتا ہے، زمین میں ڈالا جاتا ہے، اور وہ بڑا تناور درخت بن کر زمین پر سامنے آتا ہے، جو زمین کو گھیر لیتا ہے، اس وقت یہ بیج بڑھ رہا ہے، اور اعلیٰ مقاصد و منصوبوں کے ساتھ بڑھ رہا ہے، یہ دین کا بیج ہے اور علم کا بیج ہے، جس کا نفع دور دور تک پہنچے گا۔ (جاری)

مسلمان بچوں کا کامیاب نصاب تعلیم

آسان زبان اور دلنشیں انداز

از:- حکیم شرافت حسین رحیم آبادی

- اچھا قاعدہ - اچھی باتیں چھ ۶ حصے - اللہ کے رسولؐ - حضرت ابوبکرؓ - حضرت عمرؓ
- حضرت عثمانؓ - حضرت علیؓ - حضرت خدیجہؓ - حضرت عائشہؓ - حضرت سودہؓ
- اچھے قصے - آسان فقہ - ہمارا ایمان

آپ اگر چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے ابتداء ہی سے مومن اور مسلم بنیں کفر و الحاد سے ان کے اندر نفرت کا جذبہ پیدا ہو، تو آج ہی آپ اپنے معصوم نونہالوں کو یہ کامیاب نصاب تعلیم پڑھائیں جس کا اعتراف مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جیسے مشاہیر علماء نے کیا ہے۔ حکیم صاحب رحیم آبادیؒ نے طویل تجربہ اور محنت کے بعد یہ کتابیں لکھیں۔

ملک اور بیرون ملک کے ہزاروں مکاتب اور مدارس نے اپنے یہاں داخل نصاب کیا۔ بعض لوگ غیر قانونی طریقہ پر کتابوں کو ناقص اور ادھوری شکل میں شائع کر کے مجرمانہ حرکت کر رہے ہیں۔ آپ ایسے دھوکہ بازوں سے ہوشیار رہیں۔ اور کتابیں براہ راست ناشر مکتبہ دین و دانش مکارم نگر لکھنؤ سے حاصل کریں۔

پورے سٹ کی رعایتی قیمت صرف -/100 روپے مزید براں ڈاک خرچ Rs. 30/=

مکتبہ دین و دانش مکارم نگر لکھنؤ

فقہ وفتاوی

سوال وجواب

مولانا مفتی محمد طارق ندوی

س: بچے کی دی ہوئی اذان دہرانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

ج: نابالغ بچہ اگر ناسمجھ ہو تو اس کی دی ہوئی اذان کافی نہیں، دہرانا ہوگی، کیونکہ اس کی اذان سے مقصود اذان حاصل نہیں ہوتا، اس لئے کہ سننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اذان کھیل میں دی ہے۔

س: مؤذن نے یہ سمجھ کر کہ مغرب کا وقت ہوگیا ہے اذان کہہ دی بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی وقت نہیں ہوا تو اذان کافی ہوگی یا نہیں؟

ج: اذان چونکہ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے مشروع ہوئی ہے اس لئے وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں، لہذا مذکورہ صورت میں وقت ہوجانے کے بعد اذان پھر سے دے، وقت سے پہلے کہی ہوئی اذان معتبر نہیں ہے۔

س: اذان مسجد کے بائیں طرف ہی کھڑے ہوکر کیوں دی جاتی ہے؟

ج: اذان مسجد کے بائیں طرف ہی کھڑے ہوکر دینا ضروری نہیں ہے، شرعاً اس کا ثبوت نہیں ہے، یہ بات عوام الناس میں مشہور ہے کہ اذان مسجد کے بائیں طرف ہی کھڑے ہوکر دینی چاہئے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، جس طرف آبادی زیادہ ہو اس طرف سے اذان دینی چاہئے۔

س: لاؤڈ سپیکر سے اذان دینے میں چند قباحتیں ہیں، اذان کے درمیان، اکثر وبیشتر خراب ہونا، مختلف اذانوں کی آوازوں میں باہم خلط ہونا، غیر مسلموں سے تصادم ہونا، وغیرہ وغیرہ تو کیا اس کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

ج: اذان دینا مشروع ومسنون ہے اور شرعاً ایک پسندیدہ اور ضروری عمل ہے، اس کے ذریعہ تمام انسانوں کو خیر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کو نماز کے لئے پکارا جاتا ہے، دور دراز سے اذان کی آواز سن کر لوگ مسجد میں اکٹھا ہوتے ہیں اور فریضہ کی ادائیگی کرتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ آواز زیادہ دور تک پہنچتی ہے اور دعوت کا کام بحسن وخوبی پاتا ہے، اسی مقصد کی خاطر مسلمانوں نے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شروع کیا، اس میں کسی کو اذیت پہنچانا مقصود نہیں ہے اور نہ فی الواقع کوئی اذیت وانتشار ہے۔

آئندہ شمارہ میں

پروفیسر ضیاء الحسن ندویؒ پر

(۱) حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ایک مضمون

(۲) عباسی صاحب کی ایک تعزیتی نظم

ملاحظہ فرمائیں

جمعیت ابناء ندوۃ العلماء امارات کی تشکیل نو

مولانا حبیب اللہ ندوی

فکرِ ندوہ کا فروغ، ندوی برادران میں باہمی ربط وتعلق کی استواری، علمی وادبی سرگرمیوں کا انعقاد اوران میں اشتراک، مادرِ علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حالات ومسائل سے واقفیت اوراس سے وابستگی اوراس کی تعلیمی وتربیتی انجمنوں سے تعلق جیسے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسب ایماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ وحسب ارشاد حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ اب سے چار سال قبل جمعیۃ ابناء ندوہ امارات کا قیام عمل میں آیا تھا، اس چار سالہ مدت میں حوصلہ شکن مسائل اور نامساعد حالات کے باوجود، محض اجتماعیت کی برکت سے، بہت سے وقیع علمی وادبی، دعوتی واجتماعی کام انجام پذیر ہوئے، اگر اجتماعیت نہ ہوتی تو یہ سب کام ممکن نہ تھے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ جمعیۃ کو زیادہ فعال اور مقبول ومؤثر بنانے کے لئے اس کے کاموں کا دائرہ وسیع کیا جائے، اس کی مجلس عاملہ میں تبدیلی واضافہ ہو، تاکہ نئے جذبہ کے ساتھ کام مزید آگے بڑھ سکے، چنانچہ اس مقصد کے لئے دبئی وشارجہ وابوظبی میں مقیم ندوی برادران کی ایک نشست مورخہ ۱۲/دسمبر کو طہ مسجد دبئی میں منعقد ہوئی جس میں چار سالہ سرگرمیوں، کارکردگی اور مالیات کا ایک جائزہ پیش کیا گیا، کمیوں، خامیوں اور کوتاہیوں کی بھی نشاندہی کی گئی، پھر مجلس عاملہ میں تبدیلی کا انتخابی عمل ہوا، جس کی رو سے صدارت کے عہدہ کے لئے قدیم وبزرگ ندوی فاضل، دبئی میں معروف سرگرم ومتحرک شخصیت، جناب مولانا قاری عبدالحمید صاحب ندوی کا نام پیش ہوا، اور اتفاق رائے سے موصوف صدر بنائے گئے۔

معاون کے طور پر مولانا ڈاکٹر ولی اللہ ندوی صاحب کا انتخاب ہوا، ناظم جمعیۃ جناب سید ظفر ندوی صاحب بنائے گئے، دیگر عہدوں کے ذمہ داران اور عاملہ کے دیگر ارکان حسب سابق برقرار رکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کارکنوں میں اخلاص وبے نفسی کا جذبہ پیدا کرے۔

Resi : 2268177
Mobile : 9415002535
Shop : 2213736 2500567

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

Haji Safiullah Jewellers

Opp. Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow.-18

MOHD. IRFAN
PROPRIETOR

Shop: 260890
Resi: 269562

NEW KAREEM JEWELLERS

نیو کریم جویلرس

دکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

AFZALS لیبل وکیپ پر اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ، ورم، سوجن کے امراض تیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، کھانسی، نزلہ وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے۔

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan- Mau- 275101 (U.P.)

91-512-2462039
2462311
Resi: 2451177

Paradise

LEATHER FINISHERS

Manufacturers & Suppliers Of Finished Leather & Leather Goods

MIG-37, K.D.A. Colony, Jajmau KANPUR-208010

E-Mail: PLFsajid@Radiffmail.com
PLFsajid1@ Datainfosys.net